معارف

نومبر ۲۰۱۸ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگرممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگرممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۲ ماہ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ماہ نومبر ۲۰۱۸ء عدد ۵

فہرست مضامین

شذرات

برصغیر میں مسلمانوں نے ایک طویل عرصہ تک حکومت کی۔اس ملک کو انہوں نے کئی عظیم الشان حکومتیں اور بہت سے جلیل القدر حکمراں دیے جن کا شمار دنیا کے عظیم حکمرانوں میں ہوتا ہے۔تہذیب وتمدن اور علم و ادب کے میدان میں انہوں نے وطن عزیز کو جو کچھ دیا اس کی فہرست بہت طویل ہے۔انہوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کو سجایا اور سنوارا۔لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ان کے عہد حکمرانی سے وابستہ بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن کی توجیہہ مشکل ہے۔اسلام انسانی مساوات اور عالم گیر اخوت کا علم بردار ہے۔اس نے رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دیا۔قرآن مجید کے اس اعلان نے کہ ''اللہ کی نگاہ میں تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے'' عزت وذلت کے معیار کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔چنانچہ ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ عزت وشرف کی بات اس کا مسلمان ہونا ہے۔اس کے مقابلہ میں کوئی اور چیز فخر ومباہات کے قابل نہیں، نہ رنگ نہ نسل:

ابی الاسلام لا اب لی سواہ　　اذا افتخروا بقیس او تمیم

یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی گئے وہاں کے مظلوم ومقہور اور دبے کچلے ہوئے طبقات کے لیے نجات دہندہ ثابت ہوئے اور ان کے لیے باعزت زندگی کے لامحدود امکانات کا دروازہ کھول دیا۔دنیا بھر میں جہاں بھی اسلام پہنچا اس کے فیض سے نیچ اونچ کی غیر فطری تقسیم حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی، اور وہاں کے باشندوں کی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہو گیا اور امیدوں اور امکانات کی ایک نئی اور روشن صبح طلوع ہوئی۔بدقسمتی سے اس قاعدہ میں ایک استثناء بھی ہے اور اس کا تعلق ہمارے اپنے وطن عزیز سے ہے۔اس ملک میں صدیوں تک حکومت کے باوجود یہاں کی وسیع تر آبادی تک مسلمان نہ تو اسلام کا پیغام پہنچا سکے اور نہ ہی یہاں پر رائج ذات پات کے ظالمانہ اور غیر انسانی نظام کی شدت کو کم کرنے کے سلسلہ میں کوئی پیش رفت ہو سکی۔یہاں کی ''نچلی ذاتوں'' پر جن کے لیے زندگی ایک عذاب مسلسل سے کم نہیں تھی، اس خطہ میں مسلمانوں کی موجودگی کا کوئی اثر نہیں ہوا اور کم وبیش صورت حال ویسی ہی باقی رہی جیسی کہ پہلے تھی۔چنانچہ مسلمانوں کے طویل دور حکوت کے اختتام کے بعد بھی وہ وہیں تھے جہاں ان کے آنے سے پہلے تھے۔اسلام جو ساری انسانیت کے لیے پیغام رحمت بن کر آیا تھا اس کے ابر کرم کی تردستیاں ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ان مظلوم انسانوں تک نہیں پہنچ سکیں اور ان کی کشت ویران میں کبھی امید و آرزو کا کوئی غنچہ نہیں کھلا اور وہ ظلم وجبر کی چکّی میں اسی طرح پستے رہے۔اس سے بھی زیادہ افسوس اور دکھ کی بات یہ ہے کہ اس ملک میں ذات پات کی صورت حال پر تو یہاں مسلمانوں کی طویل موجودگی کا کوئی اثر نہیں پڑا البتہ خود مسلم معاشرہ پر اس کا اثر یہ پڑا کہ اسلام کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ اس کے نام لیوا خود اس لعنت کے شکار ہو گئے۔انہوں نے اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ نظام کو گلے لگا لیا اور یہ مہلک بیماری ہندوستان کے مسلم معاشرہ کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئی۔بعض علماء تک نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس پر یقین نہیں آتا۔

اس دردناک صورت حال کا ادراک اور اس پر گہرے دکھ کا احساس بہت سے اہلِ نظر کو ہے۔ وہ جب ملک کی موجودہ صورت حال اور اس کے اسباب وعلل اور اس کے ممکنہ مضمرات اور عواقب کا تجزیہ کرتے ہیں تو احساسِ کرب کی شدت دوچند ہوجاتی ہے۔ لیکن جب ان کو کسی ایسی صورت حال سے واسطہ پڑتا ہے جیسا راقم حروف کے ساتھ گذشتہ دنوں دہلی میں ہوا تو اس دکھ میں ندامت اور پشیمانی کے دوگونہ جذبات کی بھی آمیزش ہوجاتی ہے۔ اسی گذرے ستمبر کی آخری تاریخوں میں اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن (ایس۔آئی۔آو) نے دہلی کے تین مورتی ہال میں ایک دوروزہ ہسٹری سمّٹ کا اہتمام کیا۔ اس کے افتتاحی اجلاس میں راقم حروف کو شرکت کا موقع ملا۔ اس اجلاس میں ممتاز دلت اسکالر پروفیسر کنچن ایلیا نے بھی شرکت کی اور مسلمانوں سے متعلق مسائل پر اظہار خیال کیا۔ دلتوں کے تعلق سے مسلمانوں کے رویہ کے بارے میں بھی انہوں نے گفتگو کی۔ ان کی تقریر کے دوران بار بار یہ خیال کچوکے لگاتا رہا کہ اس خطہ ارض کے مسلمانوں کو توحید الٰہی اور عالمی انسانی اخوت کا پیغام یہاں کے کمزور طبقات تک پہنچانے کا صدیوں پر محیط ایک غیر معمولی موقع ملا تھا لیکن وہ ضائع ہوگیا اور اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا اور فرض منصبی کی ادائیگی میں شدید کوتاہی ہوئی۔ ماضی تو گذر گیا وہ اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔ البتہ حال اور مستقبل میں ماضی کی غلطیوں کی تلافی کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے۔ خودترحمی اور خودملامتی صحت مند معاشرہ کی علامتیں نہیں ہیں البتہ زندہ قوموں کے لیے خوداحتسابی ضروری ہے۔ پروفیسر ایلیا اس بات پر حیرت کا اظہار کررہے تھے کہ البیرونی (۹۷۳-۱۰۵۰) کے بعد گذشتہ تقریباً ایک ہزار سال کے عرصہ میں کسی مسلمان مصنف اور محقق نے ہندوستان میں رائج ذات پات کے نظام اور اس میں مضمر اونچ نیچ کی غیر فطری تقسیم کو لائق توجہ نہیں سمجھا گویا یہ ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ دور حاضر میں تحریک آزادی کے روشن خیال مسلم رہنماؤں کو بھی ہندوستانی معاشرہ کا یہ انسانی المیہ متاثر نہیں کرسکا چنانچہ ان کے افکار وخیالات میں اس سلگتے ہوئے مسئلہ کی کوئی بازگشت نہیں سنائی دیتی۔ اس مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت اور نزاکت کا کسی قدر اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پروفیسر ایلیا کی گفتگو کے بعد وہاں موجود ایک لائق مسلمان مورخ نے کہا کہ جب مسلمانوں کے اندر خود ذات پات کا نظام موجود ہے تو وہ اس کے خلاف کیسے لکھتے۔ اسے آپ اظہار واقعہ کہیں یا اس سلسلہ میں مسلمانوں کے عقیدہ اور عمل میں اتنے بڑے تضاد پر طنز لیکن کیا اس سے انکار ممکن ہے؟

میرٹھ کے محلہ ہاشم پورہ کے ۴۲ معصوم اور نہتے مسلمانوں کے قتل عام پر ۳۱ سال کی طویل مدت گذر چکی۔ یہ جاں گداز واقعہ ۲۲؍مئی ۱۹۸۷ کو پیش آیا تھا۔ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں حراست کی حالت میں قتل کا یہ سب سے بڑا واقعہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تاخیر سے ملنے والا انصاف دراصل انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ اس کے باوجود دہلی ہائی کورٹ کے ۳۱؍اکتوبر کے فیصلہ کا ہر طرف استقبال کیا گیا۔ اس قتل عام میں بچ جانے والوں اور مقتولین کے ورثہ نے بھی اس پر خوشی کا اظہار کیا اور اسے تاریخی فیصلہ سے تعبیر کیا۔ اس فیصلہ میں پی۔اے۔سی کے

سولہ کارکنوں کو عمر قید کی سزا سنائی گئی اور انہیں ۲۲/نومبر تک خودسپردگی کی ہدایت کی گئی۔ اصل مقدمہ میں ملزمین کی تعداد انیس تھی لیکن اس طویل عرصہ کے دوران ان میں سے تین کی موت واقع ہوگئی۔ ۴۲ افراد کو جس منصوبہ بند طریقے سے اور جس بے رحمی سے قتل کیا گیا تھا اس کا حق تو یہ تھا کہ قاتلوں کو سزائے موت دی جاتی۔ اس سے کم میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ لیکن ایسے حالات میں جب حکومت اور تفتیشی ایجنسیاں ہر ممکن طریقے سے ثبوتوں کو مٹانے اور ملزمین کو بچانے میں مصروف تھیں، یہ سزا کم نہیں ہے۔ اس سے یقینی طور پر عدلیہ پر اعتماد بڑھا ہے اور یہ یقین مزید مستحکم ہوا ہے کہ اعلیٰ سطح پر عدالتیں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا کام انجام دے رہی ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اسی مقدمہ میں ۲۱/مارچ ۲۰۱۵ کو ایڈیشنل شیشن جج نے ناکافی ثبوت کی بنیاد پر ملزمین کو بری کر دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ثبوت اس وقت بھی کم نہیں تھے۔ عینی شاہد تھے، انڈین ایکسپرس کے فوٹو جرنلسٹ پروین جین کی وہ منھ بولتی تصویر تھی جو اس مقدمہ کا عنوان بن چکی ہے۔ بہرحال فاضل جج کا خیال تھا کہ حتمی طور پر یہ ثابت نہیں کیا جا سکا تھا کہ اس قتل کے ذمہ دار یہی ملزمین تھے۔ عدالت عالیہ نے پرانے ثبوتوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا، اس کے علاوہ ایک نیا اور حتمی ثبوت بھی سامنے آیا۔ یہ پی۔اے۔سی کا جنرل ڈائری رجسٹر اور ٹرک ڈرائیونگ رجسٹر تھا۔ اسے اب تک چھپایا گیا تھا۔ جنرل ڈائری رجسٹر میں پی۔اے۔سی کی نقل وحرکت کی تفصیل ریکارڈ کی جاتی ہے۔ اس کے اندراجات سے یہ بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس کمپنی کے کتنے لوگ کس دن کس مشن پر بھیجے گئے۔ ٹرک ڈرائیونگ رجسٹر سے یہ بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کون لوگ کس ٹرک سے گئے اور اسے ڈرائیو کون کر رہا تھا۔ یہ ثبوت فیصلہ کن ثابت ہوا اور اس سے حتمی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ اس قتل عام میں کون لوگ شریک تھے۔ عدالت نے اسے ٹارگٹ کلنگ کا نام دیا ہے جو مذہبی تعصب کے زیر اثر انجام دیا گیا۔

پی۔اے۔سی کے سپاہیوں کو تو سزا مل گئی لیکن ظاہر ہے کہ اتنا بڑا فیصلہ عام سپاہی اپنی سطح پر نہیں کر سکتے تھے۔ اس سطح کے لوگ فیصلہ نہیں کرتے بلکہ اپنے اوپر کے افسروں کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بات میں شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ فیصلہ افسرانِ بالا کی سطح پر کیا گیا ہوگا جس کا نفاذ ان سپاہیوں نے کیا۔ انہی افسران بالا کے اثرات اتنے دنوں تک ملزموں کو قانون کی دسترس سے بچاتے رہے، انہی کے زیر اثر ثبوتوں کو مٹانے کا کام انجام دیا گیا۔ نیز یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے جرم کے باوجود ان ملزمان کی سالانہ کانفیڈنشیل رپورٹ میں اس کا ذکر تک نہیں آ سکا۔ آر۔ٹی۔آئی کے تحت حاصل ہونے والی معلومات کے تحت کم از کم ۲۰۰۷ تک تو ایسا ہی تھا۔ چنانچہ اس سزا سے انصاف کے تقاضے مکمل طور پر پورے نہیں ہوتے اس لیے کہ جن لوگوں نے یہ فیصلہ لیا اور جن کے احکام کے تحت یہ جرم انجام دیا گیا وہ ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔ اب تو بظاہر ان کی نقاب کشائی کے لیے یوم جزا کا انتظار کرنا پڑے گا۔

مقالات

کتاب الکلّیات
علامہ ابن رشد کی ایک اہم طبی تالیف

جناب الطاف احمد اعظمی

ابن رشد کو ایک بڑا امتیاز یہ حاصل ہے کہ وہ فلسفۂ قدیم بالخصوص ارسطو کے فکر و فلسفہ سے کامل آگہی کے ساتھ علوم شرعی بالخصوص فقہ میں بھی درک و کمال رکھتا تھا۔ اس کی کتاب ''بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد''، جس کا تعلق فقہ مالکی سے ہے، اس کی فقہی ژرف نگاہی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ فلسفہ وفقہ کے میدان میں ابن رشد کی غیر معمولی شہرت کی وجہ سے یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ علم طب بالتخصیص اس کے نظری مباحث سے پوری واقفیت رکھتا تھا جیسا کہ ''کتاب الکلیات'' کے تعارف سے معلوم ہوگا۔

لیکن اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ابن رشد کے حالات زندگی اور اس کے فکر و فلسفہ کا ذکر کر دیا جائے کہ وہ اصلاً فلسفی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب الکلیات کے بہت سے مباحث میں اس کی فلسفیانہ فکر اور اس کا منطقی طرز استدلال حاوی ہے۔

پیدائش اور تعلیم: ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد (۱) قرطبہ کے ایک معزز علمی خانوادے میں ۵۲۰ھ مطابق ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا۔ اس کا دادا محمد بن رشد (۲) (متوفی ۱۲۲۶ء) ایک ممتاز مالکی عالم، قاضی اور قرطبہ کی بڑی مسجد کا امام تھا (۳)۔ اس کا باپ احمد بن محمد اگرچہ دادا کا ہم پلہ نہ تھا لیکن فقہ میں مہارت رکھنے کی وجہ سے عہدۂ قضا پر فائز تھا۔ (۴)

ابن رشد نے قرطبہ میں اپنے والد سے مروجہ نقلی علوم کی تحصیل کی۔ باقاعدہ تعلیم کی ابتدا حدیث سے ہوئی اور امام مالک کی معروف کتاب ''موطا'' کا ایک بڑا حصہ زبانی یاد کر لیا۔ فقہ کی تعلیم

آر زیڈ۔ ۹۰۱ بی، فلیٹ نمبر ۴۰۲، لین نمبر ۲۴، گلشن اپارٹمنٹ، تغلق آباد ایکسٹنشن، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۹۔

حافظ ابومحمد بن رزق سے حاصل کی (۵)۔عربی شعروادب کی تحصیل نہایت شوق وجاں فشانی سے کی، ابوتمام اور متنبی کے دیوان از بر تھے۔ان علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد طب کی تعلیم کی طرف توجہ کی اور اپنے عہد کے امام فن ابوجعفر بن ہارون ترجالی کی شاگردی اختیار کی اور ایک مدت تک ان سے طب کے علاوہ دوسرے علوم کی بھی تکمیل کی۔(۶)

عہدہ ومنزلت: تحصیل علوم کے بعد ابن رشد ۱۱۵۳ء سے ۱۱۵۴ء تک مراکش میں فروکش رہا، ۱۱۶۹ء سے ۱۱۷۰ء تک اشبیلیہ (Seville) میں منصب قضا پر فائز رہا۔اس کے دو سال بعد قاضی قرطبہ ابومحمد ابن مغیث کی وفات ہوئی تو اس کو قرطبہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔موحدین کی سلطنت (۱۱۳۰۔ ۱۲۶۹ء) کا پہلا فرماں روا عبدالمومن (۱۱۳۰۔ ۱۱۶۳ء) تخت نشین ہوا تو اس نے ابن رشد کی بڑی تکریم کی اور اسے اپنے محرمان خاص میں شامل کیا اور منصب قضا پر اس کو برقرار رکھا۔ ۵۴۷ھ مطابق ۱۱۵۲ء میں ۲۷ سال کی عمر میں قاضی القضاۃ مقرر ہوا۔(۷)

عبدالمومن کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا یوسف بن عبدالمومن (۱۱۶۳۔۱۱۸۴ء) تخت حکومت پر بیٹھا اور ۲۲ سال تک بڑے تدبر اور شان وشوکت سے حکومت کی۔ یہ شخص نہایت عالم و فاضل تھا، اسے اکثر علوم بالخصوص فلسفہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔اس نے ابن طفیل (متوفی ۱۱۸۵ء) کو جو اس عہد کا نامور فلسفی تھا، اپنا ندیم خاص مقرر کیا۔اس نے ملک کے گوشے گوشے سے علماء وفضلاء اور اطباء کو اس کے دربار میں جمع کیا۔ان ارباب علم میں ابن رشد بھی شامل تھا۔ابن طفیل ہی کی تحریک پر اس نے ارسطو کی تصنیفات کی شرح لکھی جس نے قرون وسطیٰ میں اسے شہرت کے بام بلند تک پہنچادیا اور مغرب کے ارباب دانش نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔

یوسف کے جانشین یعقوب منصور (۱۱۸۴۔۱۱۹۹ء) نے اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے ابن رشد کی قدردانی کی، وہ اس کی غیر معمولی تعظیم وتکریم کرتا تھا۔مشہور مورخ طب علامہ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

> ”یہ ۵۹۰ھ کی بات ہے جب منصور نے جو اس وقت پرتگال کے بادشاہ فنس (فونس) سے مصروف جنگ تھا، ابن رشد کو دربار میں طلب کیا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی غایت درجہ تکریم کی اور اسے اپنا مقرب بنالیا....

جب ابن رشد اس کی مجلس سے باہر آیا تو اصحاب علم اور طلبہ کی ایک جماعت اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھی اور اسے مبارک باد دے رہی تھی۔ ابن رشد نے کہا کہ بخدا یہ مبارک بادی کا مقام نہیں ہے، کیونکہ امیر المومنین نے مجھے اچانک بلا لیا اور خلاف توقع وہ مقام عطا کیا جس کی میں امید نہیں کرتا تھا''۔ (۸)

لیکن کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ بعض اسباب سے منصور ابن رشد سے ناراض ہو گیا اور اسے الحاد و بے دینی کے الزام میں ''لوسینا'' میں جو قرطبہ کے قریب ایک یہودی بستی تھی، جلاوطن کر دیا۔ بادشاہ کی اس ناراضگی کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

''(ابن رشد کی قدر و منزلت دیکھ کر) اس کے دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ وہ شیعی عقائد رکھتا ہے، امیر المومنین نے اس کے قتل کا حکم دیا لیکن وہ کسی طرح بچ نکلا''۔ (۹)

لیکن ایک دوسری جگہ اس نے اس سے بالکل مختلف وجہ بیان کی ہے، لکھتا ہے:

''ابن رشد جب اس کی مجلس میں حاضر ہوتا اور اس سے گفتگو کرتا یا کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتا تو منصور کو ''اسمع یا اخی'' (میرے بھائی سنو) کہہ کر مخاطب کرتا۔ ابن رشد نے ارسطو کی ''کتاب الحیوانات'' کی شرح میں ایک جگہ ''زرافہ'' کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھ دیا کہ میں نے اسے بادشاہ بربر یعنی منصور کے پاس دیکھا ہے۔ جب یہ بات منصور کو معلوم ہوئی تو سخت برافروختہ ہوا۔ ابن رشد نے صفائی پیش کی اور کہا کہ میں نے ''ملک البرین'' (بادشاہ ارض) لکھا تھا لیکن کاتب کو دھوکا ہوا اور اس نے اسے ''ملک البربر'' کر دیا''۔ (۱۰)

لیکن اس عہد کے مذہبی حالات بتاتے ہیں کہ پہلی ہی بات صحیح ہے۔ ابن رشد جیسا کہ ہر دور میں ہوتا آیا ہے، اپنے دشمنوں اور حاسدوں کی سازش کا شکار ہوا۔ ایک فلسفی کی حیثیت سے وہ ارسطو کے خیالات کا ہم نوا تھا اور یہ خیالات مذہبی طبقہ کے خیالات سے صریحاً متصادم تھے، بالخصوص یہ بات کہ عالم قدیم ہے اور خدا کو صرف کلیات کا علم ہے، جزئیات کا نہیں وغیرہ۔ مزید برآں ابن رشد اشعری خیالات کا سخت مخالف تھا اور ان کو عقل و نقل دونوں کے خلاف سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام غزالی کی

مشہور کتاب ''تہافۃ الفلاسفہ'' کے جواب میں ''تہافت التہافہ'' لکھ کر مذہبی طبقہ کے خیالات پر کاری ضرب لگائی۔ یہاں ملحوظ رہے کہ موحدین اشعری مسلک رکھتے تھے۔ اس صورت حال سے ابن رشد کے مخالفوں نے فائدہ اٹھایا اور اس پر الحاد و بے دینی کا الزام لگا کر معتوب کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے نہ صرف ابن رشد کو جلاوطن کیا بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ فلسفہ و منطق سے متعلق اس کی تمام کتابیں جلادی جائیں۔

ابن رشد پر شاہی عتاب کیا نازل ہوا کہ اہل حسد کی باچھیں کھل گئیں، اسے ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، عین مسجد قرطبہ میں رذیل لوگوں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ کم ظرف شعراء نے طنزیہ نظمیں لکھیں اور عوام نے اظہار مسرت کیا۔ ابن رشد نے یہ سب کچھ دیکھ کر اس کے سوا اور کیا کہا ہوگا: اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی۔

کچھ دنوں کے بعد اشبیلہ کے چند علماء اور معززین نے بادشاہ کے سامنے شہادت دی کہ ابن رشد الحاد و بے دینی سے پاک ہے۔ منصور نے اسے معاف کر دیا (۱۱) اور مراکش حاضر ہونے کا حکم دیا۔ لیکن وقت موعود آپہنچا تھا اور مراکش پہنچ کر ماہ صفر ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۸ء، بروز جمعرات بوقت شب اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۱۲)

علم و فضل: ابن رشد بلا کا ذہین، نکتہ رس اور قوی الحافظہ تھا۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ ہم سے قاضی ابو مروان باجی نے بیان کیا کہ قاضی ابوالولید بن رشد حسن رائے، غیر معمولی ذکاوت و فہم اور قوی نفس رکھتا تھا۔ (۱۳)

ابن رشد کو فلسفہ و فقہ میں جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا، درجۂ کمال حاصل تھا۔ اس کا فلسفہ دراصل فلسفہ و شریعت کا امتزاج ہے۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ مذہبی معتقدات کو فلسفۂ ارسطو اور نوفلاطونیت (Neo-platonism) سے مطابقت دی جائے۔ اسی نقطۂ نظر سے اس نے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، امام غزالی کی کتاب ''تہافۃ الفلاسفہ'' کا جواب لکھ کر عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا کہ امام غزالی کی تردید غلط فہمی پر مبنی ہے، فلسفہ کے الٰہیاتی مسائل کسی طرح بھی مذہبی عقائد سے متصادم نہیں ہیں۔

ابن رشد کو فلسفۂ ارسطو کے شارح کی حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ مشرق سے کہیں زیادہ اہل مغرب نے اس کی قدردانی کی اور اس کی وجہ اس کے یہودی شاگرد تھے۔ جب یہ لوگ اسپین

سے جلاوطن کیے گئے تو ان کے توسط سے فلسفۂ ارسطو کی شرحیں یورپ تک پہنچیں، بالخصوص اٹلی اور فرانس کو اس کے فلسفہ نے زیادہ متاثر کیا۔ چودھویں صدی میں ابن رشد کا فلسفہ اپنے عروج پر تھا۔ پندرہویں صدی میں اس کو زوال ہوا اور سولہویں صدی میں اس کا اثر بہت کم ہوگیا، البتہ اٹلی میں اس کے بعد کافی دنوں تک یہ فلسفہ مروج ومقبول رہا۔(۱۴)

فلسفہ کی طرح فقہ مالکی میں بھی جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں، ابن رشد کی حیثیت مسلم ہے۔ اس کی کتاب ''بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد'' آج بھی فقہ مالکی کی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے اور ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔(۱۵)

ابن رشد اور علم طب: ابن رشد نے عصری روایت کے مطابق دیگر علوم کے ساتھ طب کی بھی تعلیم حاصل کی لیکن اس نے علاج معالجہ نہیں کیا۔ اس لیے معالجاتی اعتبار سے ابن رشد کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے، البتہ نظری لحاظ سے اس کا طبی علم وقیع ہے۔ ابن رشد کی تحقیقات کا تعلق طب کے کلی اصول ومسائل سے ہے۔ اس نے جالینوس کی جن کتابوں کی تلخیص کی ہے ان کا تعلق طب کے کلی مباحث سے ہے۔

علامہ ابن ابی اصیبعہ کے بیان کے مطابق ابن رشد نے جالینوس کی جن کتابوں کی تلخیص کی وہ یہ ہیں: **کتاب الاسطقسات، کتاب المزاج، کتاب القویٰ الطبیعیۃ، کتاب العلل والاعراض، کتاب التعرف، کتاب الحمیات، کتاب الادویۃ المفردہ، النصف الثانی من کتاب حیلۃ البرء۔**

ان تلخیصات کے علاوہ ''شرح ارجوزہ'' بھی ابن رشد کی ایک اہم طبی تالیف ہے۔ یہ ابن سینا کے منظوم رسالہ ''ارجوزہ'' کی شرح ہے(۱۶)۔ ابن رشد نے اپنی کئی کتابوں میں ابن سینا کے فلسفہ پر تنقید کی ہے لیکن طب میں اس نے نہ صرف ابن سینا پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ ''ارجوزہ'' کی شرح لکھ کر بالکل واضح کردیا کہ وہ علم طب میں ابن سینا کی بلند حیثیت کا معترف ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اندلس کے اکثر اطباء ابن سینا کے مخالف تھے۔ ابن رشد کا دوست ابن زہر اس کا شدید ناقد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ''القانون فی الطب'' اس کو دی گئی تو اس نے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔

کتاب الکلیات ابن رشد کی واحد طبع زاد کتاب ہے۔ اس کا تفصیلی تعارف آگے آرہا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس طرح ابن رشد کے فلسفہ نے یورپ کے اہل علم کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا، اسی طرح اس کی اس طبی تالیف کو بھی وہاں حسن قبول حاصل ہوا۔ پڑوا کی یونیورسٹی میں سب سے پہلے اس کی یہ کتاب داخل درس ہوئی اور بعد میں اس کے فلسفہ کی طرف توجہ دی گئی۔(۱۷)

کتاب الکلیات: ابن رشد کی اس کتاب کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، طب کے کلیاتی امور ہیں۔ اس نے جب یہ کتاب لکھی تو اپنے دوست ابومروان ابن زہر (متوفی ۱۱۶۲ء) سے اصرار کیا کہ وہ امور جزئیہ سے متعلق ایک کتاب تالیف کرے تاکہ یہ دونوں کتابیں مل کر فن طب سے متعلق جملہ امور و مسائل پر حاوی ہوں۔ اس بات کا ذکر ابن رشد نے اپنی کتاب کے آخر میں کیا ہے۔ لکھتا ہے:

> ''اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ کنائش کا بھی مطالعہ کیا جائے اور اس مقصد کے لیے ''کتاب التیسیر'' کا مطالعہ مناسب ہوگا جسے ہمارے زمانے کے طبیب ابومروان بن زہر نے تالیف کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کے لکھنے کی اس سے فرمائش کی تھی۔ اس میں جو امور جزئیہ بیان کیے گئے ہیں وہ (میری کتاب کے) کلی امور سے پوری مطابقت رکھتے ہیں اور اس میں امراض کے علاج کے ساتھ ان کی علامات و اسباب سے بھی اصحاب کنائش کی طرح بحث و گفتگو کی گئی ہے۔ جو شخص ہماری کتاب کا مطالعہ کرے اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے اور علاج کی حد تک یہ کفایت کرے گی، مختصر یہ کہ امور کلیہ سے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے اسے اگر کوئی شخص حاصل کر لے تو علاج و ترکیب ادویہ کے بیانات میں اصحاب کنائش کی صحیح اور غلط دونوں باتوں سے واقف ہو جائے گا''۔(۱۸)

کتاب الکلیات ایک مقدمہ اور سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے:

باب اول: کتاب تشریح الاعضاء، تشریح بدن سے متعلق ہے۔

باب دوم: کتاب الصحۃ، اعضائے بدن کے افعال پر ہے۔

باب سوم: کتاب المرض، امراض کے ذکر میں۔

باب چہارم: کتاب العلامات، صحت و مرض کی علامات کے ذکر میں۔

باب پنجم: کتاب الادویہ والاغذیہ، دواؤں اور غذاؤں کے افعال و خواص کے بیان میں۔

باب ششم: کتاب حفظ الصحۃ، حفظانِ صحت کی تدابیر کے ذکر میں۔

باب ہفتم: کتاب شفاء المرض، علاج امراض کے اصول کلی کے بیان میں بالخصوص حمیّات، اورام اور قروح کے بارے میں۔

کتاب الکلیات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے، لاطینی زبان میں اس کے کئی ترجمے ہوئے۔ ۱۲۵۵ء میں پڈوا میں بونا کوسا (Bona Cosa) نے اس کا لاطینی میں ترجمہ کیا جو نامکمل رہا، سمفورین چیمپر (Sumphorein Champer: 1472-1539) نے ۱۵۳۷ء میں اسے مکمل کیا۔ عبرانی میں اس کا ترجمہ دوبار ہوا، ایک مترجم گم نام ہے اور دوسرے کا نام سلیمان بن ابراہیم بن داؤد ہے۔ لیکن اس کا عہد نامعلوم ہے۔(۱۹)

کتاب الکلیات کو بعض دوسرے مصنّفین کی تحریروں کے ساتھ ملا کر متعدد بار شائع کیا گیا۔ چنانچہ برن فلس (Brunfles) نے اسے یحییٰ بن سرافیون اور رازی کی کتابوں کے ساتھ ملا کر ۱۵۳۱ء میں سٹراس برگ (Strass burg) سے شائع کیا۔ ابن زہر کی کتاب کے ساتھ اسے وینس (Venice) سے ۱۴۹۰، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۵۱۴، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱ء اور ۱۵۳۳ء میں شائع کیا گیا۔ ۱۴۸۲ء میں علاحدہ طور پر اسے وینس سے شائع کیا گیا۔(۲۰)

کتاب الکلیات کی طرح شرح ارجوزہ کو بھی مغرب میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ موسیٰ بن طبون (Tibbon) نے ۱۲۶۰ء میں اسے عبرانی نظم کا جامہ پہنایا۔ اسی نسخہ کو آرمن گاڈ (Armengaud) نے ۱۲۸۰ء (یا ۱۲۸۴ء) میں لاطینی میں منتقل کیا اور ۱۶۸۴ء میں اسے وینس سے شائع کیا گیا۔(۲۱)

کتاب الکلیات کا تنقیدی جائزہ: کتاب الکلیات کے مختلف مباحث میں ابن رشد کا منفرد طرز بیان اور جدت فکر نمایاں ہے۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر کریں گے۔ لیکن یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ تشریح الاعضاء (اناٹمی) اور منافع الاعضاء (فزیالوجی) کے بیان میں اس نے کسی تحقیق کے بغیر جالینوس کی مکمل پیروی کی ہے۔ بعض مباحث کی وضاحت میں ارسطو کی بھی تقلید کی ہے حالانکہ علم طب میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان دونوں افاضل یونان کی اتباع کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

جالینوس نے لکھا ہے کہ اوردہ (Veins) کا منبع جگر ہے، ابن رشد نے بھی یہ غلط بات لکھ دی ہے:

والعروق الغير ضوارب: هي من طبقة واحدة، وتوجد بالحس، متشعبة من عرق عظيم في محدب الكبد۔(۲۲)

عروق غیر ضوارب (اوردہ) میں ایک پرت ہوتی ہے اورانہیں چھوکر معلوم کیا جاسکتا ہے، یہ وریدیں اس بڑی ورید کی شاخیں ہیں جو محدب جگر سے نکلتی ہیں''۔

جالینوس نے تشریح قلب کے بیان میں لکھا ہے کہ اس کے داہنے اور بائیں بطن (Ventricles) کے درمیان غیر مرئی منافذ (Invisible Pores) ہوتے ہیں جن کی راہ خون داہنے بطن سے بائیں بطن میں جاتا ہے، بوعلی سینا کی طرح ابن رشد نے بھی جالینوس کے اس غلط تشریحی بیان (Anatomical error) کو نقل کردیا ہے، لکھتا ہے:

وللقلب بطنان عظيمان، احدهما في الجانب الايمن والآخر في الجانب الايسر، وعند صله شبيه بالغضروف، وكأنه قاعدة لجميع القلب، ومن البطن الايمن الى الأيسر منافذ۔(۲۳)

قلب میں دو بڑے بطن ہیں، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔ اس کی جڑ کے قریب کا حصہ غضروف (کرّی) کی مانند ہے، یہ گویا قلب کا قاعدہ (Base) ہے اور دائیں بطن سے بائیں بطن تک (نفوذ خون کے لیے) منافذ ہیں۔

تشریح جگر کے باب میں بھی ابن رشد نے جالینوس کی پیروی کی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ اس کے عروق میں کیلوس کا طبخ ہوتا ہے اور خون بنتا ہے اور اس کی بڑی رگ کے ذریعہ باہر آتا ہے۔ ابن رشد کے الفاظ میں:

والغذاء الكيلوسي يدخل الكبد من بابه، ويطبخ في تلك العروق، حتى يعود دما، ثم يخرج من العرق العظيم في حدبته۔(۲۴)

غذاء کیلوسی جگر میں باب الکبد کے ذریعے داخل ہوتی ہے اور جگر کے اندر کی شاخوں میں پکتی ہے یہاں تک کہ خون میں تبدیل ہوجاتی ہے، پھر محدب جگر کی بڑی رگ کے ذریعہ خون باہر آتا ہے۔

جدید فزیالوجی سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ معروف معنی میں خون جگر میں بنتا ہے۔ بعض مقامات پر جالینوس کی اندھی تقلید دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے مثلاً اس نے لکھا ہے کہ تولید جنین

میں عورت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ابن رشد کے الفاظ ہیں:

واما الانثیین التی یزعم جالینوس انھا توجد للمرأۃ، فیشبہ الا یکون لھا تاثیر فی الولادۃ، اذ کان من النساء المتولد فیھا لا مدخل لہ فی الولادۃ، ولیس ذلک بغریب، فان الشدی فی النساء لمکان الولادۃ، ولیس لھا فی الرجال ھذہ المنفعۃ، فاما من این یظھر أنہ لیس لمنی المرأۃ یدخل فی الولادۃ فمن الحس والقیاس۔(۲۵)	اور رہے انثیین (Testicles) جو بقول جالینوس عورتوں میں ہوتے ہیں، تو بظاہر ولادت میں ان کی کوئی تاثیر نہیں، کیونکہ فعل تولید میں عورت کی منی کا کوئی دخل نہیں ہے اور اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، کیونکہ فعل ولادت میں عورتوں کے پستانوں کو دخل ہے جب کہ مرد کے پستانوں میں یہ منفعت نہیں پائی جاتی، ولادت میں عورت کی منی کا دخل نہ ہونا مشاہدہ وقیاس دونوں سے ثابت ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ارسطو جیسے بالغ نظر فلسفی کا بھی یہی خیال تھا(۲۶)۔افسوس ابن رشد کے حال پر کہ اس عالم وفاضل نے کیوں کر اس فاش غلطی کا ارتکاب کیا۔قرآن مجید میں صاف لفظوں میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفۂ امشاج (مخلوط نطفہ) سے پیدا کیا ہے۔(سورہ دہر:۲)

اس سلسلے میں ابن رشد نے مشاہدہ وقیاس کی جو مثالیں دی ہیں، وہ بالکل غیر علمی ہیں:

"کتاب الکلیات" کا دوسرا باب "افعال اعضاء" کے بارے میں ہے۔یہ باب نہایت اہم ہے، اس میں متعدد مفید مباحث ہیں، مثلاً بحث مزاج۔میرا خیال ہے کہ یہ بحث متعدد اعتبار سے بالکل منفرد ہے۔لیکن اعضائے آلیہ کے افعال کے بارے میں ابن رشد نے جو کچھ لکھا ہے اس میں جالینوس کے خیالات کی پیروی کی ہے۔جالینوس کے نزدیک قلب کا اصل کام روح حیوانی کی تخلیق ہے۔ابن رشد نے اس خیال کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فنقول ان القلب اذ ھو مولف من اغشیۃ و رباطات ولحم و عروق و غضروف و دم و روح، ھو ضرورۃ حار، بمکان الروح العظیم الذی	ہم کہتے ہیں کہ قلب اغشیہ، رباطات، عروق، غضروف، خون اور روح سے مرکب ہے، اس لیے اس کا مزاج گرم ہے، قلب ہی خون اور روح عظیم (یعنی روح حیوانی) کا مسکن ہے، اور یہ پورے

فيه والدم، اذ كان كالمستوقد لجميع البدن۔(۲۷)

بدن کے لیے مثل بھٹی کے ہیں (یعنی اسی کے ذریعہ تمام اعضائے جسم میں گرمی پہنچتی ہے)''۔

اسی سلسلہ بحث میں ابن رشد نے افعال اعصاب کے بیان میں جالینوس اور ارسطو کے خیالات اور ان کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور ارسطو کے خیال کی تائید کی ہے اور جالینوس کے خیال کو غیر برہانی دلیل قرار دیا ہے، حالانکہ اس کی رائے تجربہ پر مبنی ہے۔ابن رشد لکھتا ہے:

وأما العصب ففي منفعتها شكوك كثيرة، أما جالينوس فيرىٰ أن منفعتها انما هي لتودي الحس والحركت الارادية الى جميع الاعضاء، وأما اللازم عن رأى ارسطو فان العصب انما جعل لموضع تعديل الحرارة الغريزة، حتى يكون بها الحس، وذلك تابع لرايهما فى منفعة الدماغ، وأما كونها آلة الحركة الارادية ففيه نظر ايضًا، وما يحتاج به جالينوس فى اثبات وجود الحس والحركة عن الاعصاب من أن بارتفاع العصب يرتفع الحس والحركةفموضع غيربرهانى۔(۲۸)

اعصاب کے افعال کے بارے میں بکثرت اختلاف پایا جاتا ہے۔ان کے افعال کے بارے میں جالینوس کا خیال ہے کہ وہ تمام اعضاء کی ارادی حس وحرکت کا ذریعہ ہیں۔اس سلسلے میں ارسطو کا خیال ہے کہ اعصاب اس غرض سے بنائے گئے ہیں کہ وہ حرارت غریزیہ کو اعتدل پر رکھیں تاکہ اس سے حس کا صدور ہو۔دونوں (یعنی جالینوس اور ارسطو) کا یہ اختلاف ویسا ہی ہے جیسا کہ افعال دماغ کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔یہ بات کہ اعصاب حرکت ارادیہ کا آلہ ہیں، محل نظر ہے۔اعصاب کے ذریعہ حس وحرکت کا وجود ثابت کرنے کے لیے جالینوس کی دلیل یہ ہے کہ اعصاب کی قوت کے ختم ہونے سے حس و حرکت بھی ختم ہوجاتی ہے۔لیکن اس جگہ یہ ایک غیر برہانی دلیل ہے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ابن رشد جس طرح ارسطو کے فکر وفلسفہ کا بہرطور حامی ہے اسی طرح طب کے بارے میں اس کے خیالات کی اتباع کو ضروری خیال کرتا ہے خواہ وہ علم طب کی رُو سے کتنے ہی بودے کیوں نہ ہوں۔وہ اس اعتراف سے قاصر رہا کہ علم طب میں جو تمام تر تجربی علم ہے،

جالینوس کو ارسطو پر مکمل برتری حاصل ہے۔

ابن رشد نے بعض طبی مسائل میں جالینوس کی تحقیقات سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن یہ اختلاف زیادہ تر قیاسی نوعیت کا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے:

وما تسمع جالینوس یھزأ فیہ بأرکغانس عند معالجتہ القوۃ الذاکرۃ، ویقول لہ یا ھذا إن کنت تزعم أن القوۃ الذاکرۃ فی القلب فما لک لم تعلق المحاجم علی القلب وتقصدہ بالمعالجۃ، فلیس الامر علی ما یقولہ جالینوس و سنبین ھذا فیما بعد۔(۲۹)	جالینوس نے قوت ذاکرہ کے علاج کے سلسلہ میں ارکغانس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تمہارا خیال ہے کہ قوت ذاکرہ قلب میں ہے تو قلب پر سنگھیاں لگا کر اس کا علاج کیوں نہیں کرتا۔ جالینوس کی یہ بات مطابق حقیقت نہیں ہے اور ہم آگے چل کر اسے واضح کریں گے۔

چنانچہ ابن رشد نے قوائے دماغ کے ذکر میں قوت ذاکرہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ملحوظ رہے کہ اگرچہ ان قوتوں (قوت متخیلہ، قوت مفکرہ، قوت ذاکرہ و حافظہ) کے افعال بطون دماغ سے انجام پاتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا وجود قلب میں ہے اور بطون دماغ ان قویٰ کے لیے بہ منزلہ آلات ہیں۔ اس کی مثال قوت باصرہ ہے جس کا فعل رطوبت جلیدیہ کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن اصل قوت قلب میں ہے"۔(۳۰)

ابن رشد کا مذکورہ بیان حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔ اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ وہ فلسفی پہلے اور طبیب اس کے بعد ہے، جبکہ جالینوس اول و آخر طبیب ہے اور بدن انسان سے متعلق ہر کلی اور جزئی امر کا فیصلہ منطق و فلسفہ کی مدد سے کرنے کے بجائے مشاہدہ و تجربہ کی بنیاد پر کرتا ہے۔

ابن رشد کے تفردات: ابن رشد پر تنقید سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ "کتاب الکلیات" میں جالینوس اور دوسرے اطبائے سلف کی تقلید کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ متعدد مباحث میں ابن رشد نے اطبائے متقدمین کی مقبول عام آراء کے برخلاف رائے دی ہے۔ مثلاً اطباء جن میں جالینوس بھی شامل

ہے، کہتے ہیں کہ بدن انسان میں تین طرح کی قوتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک قوت کا نام ''قوت حیوانیہ'' ہے۔

لیکن ابن رشد اس بات کا منکر ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اعضاء میں قوت تغذیہ اور حس کے سوا کوئی تیسری قوت نہیں پائی جاتی ہے۔ وہ قوت حیوانیہ کا اطلاق انہی دونوں قوتوں پر کرتا ہے (۳۱)۔ وہ اس خیال سے بھی متفق نہیں ہے کہ جگر اپنے کام میں خود کفیل ہے، وہ اپنے افعال کی انجام دہی کے لیے اس حرارت کا محتاج ہے جو اسے قلب سے نکلنے والی شرائین کے ذریعہ سے پہنچتی ہے (۳۲)۔ ابن رشد جگر میں روح کی موجودگی کا بھی منکر تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے مروجہ خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

مع أن الكبد ليس يظهر فيها روح بالتشريح، ينفذ منها في الاوراد الى سائر البدن بل ما في الاوراد من الدم، هو دم غير نضج، وانما مطية الروح الدم الشرايينى۔(۳۳)	مزید برآں تشریح سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جگر میں روح ہے جو وریدوں کے ذریعہ سارے بدن میں پہنچتی ہے بلکہ وریدوں میں ناپختہ خون ہوتا ہے اور روح کی سواری وہ خون ہے جو شرائین میں ہے۔

ابن رشد پہلا طبیب ہے جو اس بات کو نہیں مانتا تھا کہ خون میں دیگر اخلاط بالفعل شامل ہیں (۳۴)۔ عام اطباء بدن کی تین حالتیں قرار دیتے ہیں، ایک صحت، دوسری مرض اور تیسری حالت نہ صحت نہ مرض (لا صحة و لا مرض) یعنی جسم کی وہ حالت جس پر نہ پورے طور پر صحت کا اطلاق ہو اور نہ مرض کا، ایک درمیانی حالت۔ ابن رشد نے اس تیسری حالت یعنی لا صحة و لا مرض کا انکار کیا ہے۔ (۳۵)

ہم نے گزشتہ صفحات میں ''کتاب الکلیات'' کا جو اجمالی تعارف کرایا ہے اس سے واضح ہوگیا کہ طب کے کلی امور و مسائل پر یہ ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کے بعض نقائص قطع نظر کر کے دیکھیں تو تسلیم کرنا ہوگا کہ ابن سینا کی کتاب ''القانون فی الطب'' کے پہلے حصہ کے سوا جو کلیات پر ہے، کوئی دوسری کتاب اس موضوع پر ایسی نہیں ہے جو ''کتاب الکلیات'' کے ہم پلہ ہو۔ اگر ''القانون'' اور اس کتاب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بعض کلی مباحث کی تنقیح میں ''کتاب الکلیات''

کی بحث منفرد اور زیادہ جامع نظر آئے گی لیکن بحیثیت مجموعی ''القانون'' کے حصۂ کلیات کو اس کتاب پر برتری حاصل ہے۔

ماخذ و حواشی

(۱) انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس، جارج سارٹن، مطبوعہ نیو یارک ۱۹۷۵ء، ج ۱، ص ۳۵۵۔ علامہ شبلی نعمانی نے پورا نام اس طرح لکھا ہے: ابوالولید کنیت، حفید لقب، محمد بن احمد بن رشد نام ہے۔ دیکھیں مقالات شبلی، مطبوعہ شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء، ج ۵، ص ۲۱۔ (۲) جارج سارٹن نے دادا کا نام ابوالولید محمد بن احمد بن رشد لکھا ہے۔ اس میں ابوالولید کا اضافہ صحیح نہیں ہے۔ یہ ابن رشد کی کنیت ہے۔ (۳) انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس، ج ۱، ص ۳۵۵۔ ابن رشد کے دادا نے فقہ پر کئی کتابیں لکھیں، دیکھیں بروکلمان، عربی لٹریچر، ۱۸۹۸ء، ج ۱، ص ۳۸۴۔ (۴) انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس، ج ۱، ص ۳۵۵۔ (۵) عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ابن ابی اصیبعہ طبع بیروت ۱۹۶۵ء، ج ۱، ص ۵۳۱۔ (۶) ایضاً۔ (۷) مقالات شبلی، ج ۵، ص ۳۰۔ (۸) عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ۱، ص ۵۳۱۔ (۹) ایضاً۔ (۱۰) ایضاً، ص ۵۳۲۔ (۱۱) ایضاً۔ (۱۲) انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس، ج ۱، ص ۳۵۶۔ (۱۳) عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ۱، ص ۵۳۱۔ (۱۴) اربین میڈیسن، کیمبل، ج ۱، ص ۹۵۔ (۱۵) عربی لٹریچر، بروکلمان، ج ۱، ص ۳۸۴۔ (۱۶) عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ۱، ص ۵۳۳۔ (۱۷) مقالات شبلی، ج ۵، ص ۶۰۔ (۱۸) کتاب الکلیات (عربی) مطبوعہ سی سی آر یو ایم دہلی، ۱۹۸۴ء، ص ۵۲۴۔ (۱۹) انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس، ج ۱، ص ۳۶۰۔ (۲۰) ایضاً۔ (۲۱) ایضاً۔ (۲۲) کتاب الکلیات، ص ۱۲۔ (۲۳) ایضاً، ص ۲۵۔ (۲۴) ایضاً، ص ۲۸۔ (۲۵) ایضاً، ص ۵۶۔ (۲۶) ایضاً۔ (۲۷) ایضاً، ص ۳۶۔ (۲۸) ایضاً، ص ۴۵۔ (۲۹) ایضاً، ص ۵۴، ۵۵۔ (۳۰) ایضاً، ص ۸۰۔ (۳۱) ایضاً، ص ۵۳۔ (۳۲) ایضاً۔ (۳۳) ایضاً، ص ۵۴۔ (۳۴) ایضاً، ص ۳۴۔ (۳۵) ایضاً، ص ۶ (مقدمہ)۔

منقوط اور غیر منقوط تحریروں کی روایت

جناب محمد ریاض

(۲)

غیر منقوط روایت عجم میں: اس فن عجیب کو اولاً ہم نے عرب کے مشہور و متبحر اصحاب قلم سے بیان کیا، اب غیر منقوط فن کی عجم میں ترویج کا ذکر کرتے ہیں۔ عرب کی طرح عجم کے مختلف علماء و ادباء اور شعراء نے مختلف زبانوں میں فن غیر منقوط میں طبع آزمائی کی ہے۔ سب سے پہلے اس فن میں عربی زبان میں ادبی کارناموں کو ذکر کریں گے، اس کے بعد دیگر زبانوں، اردو، فارسی، پنجابی میں اس فن کے شہ پارے سامنے لائیں گے۔ پس ابتداء دنیا کی سب سے فصیح اور وسیع زبان سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حروف مہملہ کا یہ فن عجم میں کب، کیسے اور کہاں پھلا پھولا؟ اور اس کے اولین ادبا کون ہیں؟ اس بات کو ہم تاریخ کی رعایت رکھتے ہوئے ذکر کرتے ہیں۔

ابوالفیض فیضی (ت: ۱۰۰۴ھ) کا رسالہ ''موارد الکلم اور سواطع الالہام'': غیر منقوط ادب کی پہلی نص عجم میں عربی زبان میں ابوالفیض فیضی کی مذکورہ بالا شہرۂ آفاق دو تصانیف ہیں، فیضی کا پورا نام ملک الشعرا ابوالفیض فیضی، فیاضی بن شیخ مبارک ناگوری ہے، یہ عربی النسل ہیں۔ موصوف کے آباء و اجداد کا یمن سے تعلق تھا۔ نویں صدی میں شیخ موسیٰ جو پانچویں پشت میں فیضی کے دادا تھے، یمن سے آ کر سندھ کے شہر سیہون کے قریب قصبہ ''ریل'' میں مقیم ہوئے۔ فیضی کے دادا خضر بن رکن الدین بن عبداللہ بن موسیٰ علم کی تلاش میں سندھ چھوڑ کر ہند آگرہ کے قریب ناگور میں آ بسے، ابوالفیض فیضی کو ملک الشعرا کا لقب اکبر بادشاہ نے دیا تھا۔(۴۹)

جب ابوالفیض فیضی نے اپنی شہرۂ آفاق غیر منقوط تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھنے کا ارادہ کیا تو فیضی

موضع ٹوبہ ٹیک، سندھ، پنجاب، پاکستان۔ (Ph & Watts: 923055660042)

نے تمرین اور مشق کے لیے سب سے پہلے ایک غیر منقوط رسالہ لکھا اور اس کا نام "موارد الکلم وسلک درر الحکم" رکھا۔ اس رسالہ کی تصنیف کی طرف فیضی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بھی اشارہ کیا ہے (۵۰)۔ علامہ شبلی نعمانی کے بقول "موارد الکلم" ۹۸۰ھ میں لکھ کر مختلف عرب ممالک میں بھیجا گیا تو لوگوں نے اس کی بہت تعریف وتحسین کی (۵۱)۔ یہ رسالہ ۱۲۴۱ھ میں کلکتہ کے مشہور قدیم مطبع شیخ ہدایت اللہ سے شائع ہوا جو اب کم یاب ہے۔ یہ رسالہ ۱۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ "موارد الکلم" مولف کی عربی زبان وادب پر مہارت ولیاقت فائقہ کا کامل اظہار ہے۔ یہ پہلا ضخیم رسالہ تھا جو مکمل غیر منقوط لکھا گیا، اس میں علامہ فیضی نے صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ لفظ "صلعم" اور علیہ السلام کے مقام پر لفظ "عم" اور علیہم السلام کے مقام پر لفظ "عہم" کے الفاظ کو استعمال کیا ہے۔

علامہ فیضی نے رسالہ کی ابتدا ان ابیات سے کی ہے:

الحمد لملهم الكلام الصاعد   وهو المحمود أوّلا والحامد

ما وحّده موحّد إلّا هو   والله إلهكم إله واحد(۵۲)

موردالکلام مہمل نظم ونثر کا شاہکار ہے۔ ملک الشعرا ابوالفیض نے اس رسالہ کے خاتمہ کو معجم یعنی منقوط الفاظ سے لکھا ہے۔ اس کو ہم منقوط روایت میں ذکر کریں گے۔

سواطع الالہام: عرب وعجم میں مشہور غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" ابوالفیض فیضی کا ایک گراں قدر ادبی کارنامہ ہے۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مطابق فیضی نے اس تفسیر کو ۱۰۰۲ھ میں مکمل کیا اور بادشاہ اکبر کی خدمت میں پیش کیا، جس پر اس کو بادشاہ اکبر نے اس وقت دس ہزار روپے بطور انعام کے دیے۔ اس تفسیر کے ساتھ فیضی نے آفاق عالم میں شہرت پائی۔ (۵۳)

ابوالفیض فیضی روئے زمین کے پہلے مفسر ہیں جنھوں نے مکمل غیر منقوط تفسیر لکھی، اپنی تفسیر کو ایک مقدمہ سے شروع کیا ہے، جس کا آغاز ان کلمات سے کیا:

الله لا إله إلا هو، لا أعلمه ما هو، وما أدركه كما هو، أحامد المحامد ومحامد الأحامد، لله مصعد لوامع العلم، وملهم سواطع الإلهام......(۵۴)

مقدمہ بسیط ہے، جس میں فیضی نے سواطع (خوشبو کے بلند ٹیلے) کے عنوان سے چیزیں ذکر کی ہیں۔ یہ سواطع دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ پہلا حصہ مولف اور اس کے خاندان کے متعلق ہے، جبکہ

دوسرا حصہ علوم القرآن کے متعلق ہے، جس میں علامہ فیضی نے فن تفسیر کے متعلق بنیادی باتیں لکھی ہیں، اگر ہم مجموعی طور پر سواطع الالہام کو دیکھ کر اس کے چیدہ چیدہ نکات ذکر کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں اس تفسیر میں مفسر نے آیات اور سورتوں کے اسباب نزول ذکر کیے ہیں اور ہر سورت کے شروع میں اس کا مکی یا مدنی ہونا بیان کیا ہے۔ مدنی سورت کے علامہ فیضی **مورد ها مصر رسول الله صلعم** اور مکی صورت کے لیے **مورد ها أم الرحم** کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورۃ النازعات کے مقام نزول کے متعلق کہتے ہیں: **مورد ها أم الرحم** (۵۵)۔ یعنی یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور سورۃ النصر کے بارے میں کہتے ہیں: **مورد ها مصر رسول الله صلعم** (۵۶)۔ یعنی یہ سورت رسول اللہؐ کے شہر (مدینہ طیبہ) میں نازل ہوئی۔ تفسیر کے اختتام پر علامہ فیضی نے ترتیب ہجائی کے اعتبار سے تفسیر میں موجود مشکل الفاظ کا حل ایک باب میں پیش کیا ہے اور اس کا نام ''حل معاسر سواطع الالہام'' رکھا ہے۔ سواطع الالہام کے آخر میں دو غیر منقوط تقریظیں بھی شامل ہیں۔

محمد مومن الجزائری الشیرازی (ت:۱۱۱۸ھ) کی ''درالحکم'': اس فن میں غیر منقوط کی دوسری عبارت ہمیں محمد مومن بن محمد قاسم الجزائری کی ملتی ہے۔ انھوں نے منقوط حروف سے خالی الفاظ میں ایک رسالہ لکھا جو چار سو اشعار پر مشتمل تھا۔ مختلف انواع کے اشعار کو ''حکم'' کے عنوان سے معنون کر کے ذکر کیا ہے۔ رسالہ کو ان الفاظ سے شروع کیا:

لا إله إلا الله محمد رسول الله، أول الكلام وأكمل المرام، حمد الله الأحد الصمد العلام..... (۵۷)

ابو محمد شویکی (ت:۱۱۴۹ھ) کا ''قصیدہ مہملہ'': اس فن کی تیسری نص ابو محمد شویکی کا قصیدہ غیر منقوط ہے جن کا پورا نام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن حسین بن محمد الشویکی الخطی ہے۔ شویکی نے قصیدہ کا آغاز ان ابیات مہملہ سے کیا ہے۔

لآل محمد اعلى السلام   وإكمال السرور على الدوام
وهم على ملوك الحمد طرا   وأهل العلم والهمم والركام (۵۸)

محمد صدیق لاہوری (ت:۱۱۹۲ھ) کی ''سلک الدرر'': عجم میں صنعت اہمال کی چوتھی عبارت

محمد صدیق لاہوری کی کتاب ''سلک الدرر'' ہے۔ مولف کا پورا نام محمد صدیق بن محمد حنیف بن محمد لطیف لاہوری ہے۔ یہ عالم، فقیہ اور ادیب تھے (۵۹)۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں ایک انوکھی کتاب ''سلک الدرر فی السیر'' حروف مہملہ کے ساتھ لکھی ہے (۶۰)۔ علامہ فقیر محمد جہلمی نے حدائق حنفیہ میں اس کتاب کا نام ''مسلک الدرر لاکمل رسل اطہر فی السیر للرسول الانور'' ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب فقط آٹھ پہر میں لکھی گئی۔ (۶۱)

قطب الدین بھبہانی (۱۲۰۶ھ) کی ''التفسیر المعمول من غیر الحروف المنقوطۃ'': صنعت غیر منقوط کی پانچویں عبارت قطب الدین بھبہانی کی ہے۔ ان کا پورا نام علی بن قطب الدین مفسر بھبہانی ہے، انہوں نے دو تفسیریں لکھی ہیں، پہلی ''تفسیر الصافی'' اور دوسری ''التفسیر المعمول من غیر الحروف المنقوطۃ''۔ یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد شروع سے سورہ یونس تک، دوسری سورہ عنکبوت اور تیسری سورۂ ناس کے آخر تک۔ آقا بزرگ طہرانی کے مطابق یہ تینوں جلد مکتبہ السماوی ایران میں موجود ہیں۔ (۶۲)

امداد علی کنتوری (ت: ۱۲۹۲ھ) کی ''سورہ یوسف کی غیر منقوط تفسیر'': اس فن کی چھٹی نص امداد علی کنتوری کی سورہ یوسف کی غیر منقوط تفسیر ہے۔ مفسر کا پورا نام امداد علی بن رحمٰن بخش شیعی کنتوری ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے مشہور لوگوں میں سے ہیں، کنتور میں ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ متعدد تصانیف ہیں، ان میں سے سورہ یوسف کی صیغہ اہمال میں لکھی گئی تفسیر بھی ہے۔ (۶۳)

علی عباس خان (ت: ۱۲۹۸ھ) کی ''سورہ یوسف کی غیر منقوط تفسیر'': فن عجیب بے نقط کی ساتویں عبارت بھی سورہ یوسف کی غیر منقوط تفسیر ہے، جو علی عباس خان نے لکھی ہے۔ مفسر کا نام صاحبزادہ علی حسین خان بن عظیم اللہ خان ہے۔ ان کی ولادت، پرورش، تعلیم و تربیت ریاست رامپور میں ہوئی۔ ۱۲۹۴ھ میں حج پر گئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ شہدائے احد کے قریب مدفون ہیں۔ انہوں نے سورہ یوسف کی غیر منقوط تفسیر کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

الحمد للہ الملک السلام الواحد لہ ملک السماء و السطوح مرسل الرسل.....۔ (۶۴)

مخطوطہ رامپور کی عظیم لائبریری، رضا لائبریری میں موجود ہے۔

نجف علی جھجری (ت: ۱۲۹۹ھ) کی ''سحر الکلام شرح مقامات حریری'': نقطوں سے خالی صنعت

کی آٹھویں نص قاضی نجف علی جھجھری کی ''سحر الکلام'' ہے، جو مقامات حریری کی غیر منقوط شرح ہے۔ شارح کا پورا نام قاضی نجف علی بن عظیم الدین حنفی جھجھری ہے۔ اپنے زمانہ کے مشاہیر میں تھے۔ انہیں عربی زبان وادب اور فارسی پر ید طولیٰ اور مہارت کاملہ کے علاوہ دیگر فنون میں دسترس حاصل تھی۔ متعدد کتابیں لکھی جن میں سے ایک سحر الکلام ہے جو صنعت اہمال کا عظیم شاہکار ہے(۶۵)۔ بعض لوگوں نے ان کی ایک کتاب غیر منقوط عربی معجم ''مجموعہ لغات بے نقطہ'' بھی ذکر کی ہے(۶۶)۔ نجف علی جھجھری کا ترجمہ علامہ عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر اور الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند میں ذکر کیا ہے جہاں ان کی کئی تصنیفات کا بھی ذکر ہے۔ مگر اس بے نقط معجم کا ذکر نہیں۔

ناصر علی غیاث پوری (ت: ۱۳۰۵ھ) کا ''السلام المعراء'': فن غیر منقوط کی نویں نص ناصر علی غیاث پوری حنفی آروی کی ہے۔ وہ جید عالم، طبیب اور ادیب تھے، ان کی متعدد تصنیفات ہیں(۶۷)۔ انہوں نے بغیر نقطوں کے آقائے نامدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ سلام بعنوان ''السلام المعراء'' لکھا۔

ڈاکٹر زبید احمد اس بارے میں کہتے ہیں:

مصنف کا ایک اور کام درود ''السلام المعراء'' جو فقط صیغہ اہمال پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ کتاب کا عنوان حروف منقوطہ سے خالی ہے۔ کتاب کا آغاز ایک مختصر مہملہ مقدمہ سے کیا گیا ہے۔ ہدیہ درود و سلام کی ابتدا ان الفاظ سے ہے:

اللهم صل وسلم علی محمد و إمام الهدی

اللهم صل وسلم علی محمد صدره مطلع الهدی (۶۸)

ملا احمد مکرم عباسی (ت: ۱۳۱۳ھ) کا رسالہ ''اسمع الاسمع'': علم بدیع کی دسویں نص ملا احمد مکرم عباسی کا نقطوں سے خالی رسالہ ''اسمع الاسمع'' ہے(۶۹)۔ یہ رسالہ ۱۳۴۱ھ میں حیدرآباد دکن سے طبع ہوا۔ یہ نظم ونثر بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ سولہ صفحات عربی میں جبکہ بقیہ چار فارسی نظم میں صیغہ اہمال سے مزین ہیں۔ مولف نے رسالہ کی ابتدا حمد وثناء سبحانہ وتقدس سے یوں کی ہے:

اسم الله العلام أوّل الأمر والکلام، لا إله إلا هو، الحمد لله الملک العلام، والودود المحمود السلام ......(۷۰)

علامہ ابوالفیض محمد حسن فیضی جہلمی (ت:۱۳۱۹ھ) کا ''قصیدہ مہملہ اور سورہ فاتحہ کی بے نقط تفسیر'':
گیارہویں نص علامہ زمان، علوم وفنون کے ماہر، ابوالفیض محمد حسن فیضی جہلمیؒ کا قصیدہ بے نقط اور سورہ فاتحہ کی غیر منقوط غیر مطبوع تفسیر ہے۔ قصیدہ مہملہ کے لکھنے کا قصہ کچھ یوں ہے کہ جب مسیلمہ پنجاب کذاب مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کلام کے اعجاز کا چیلنج اور نبوت کا دعویٰ کیا تو علامہ ابوالفیض فیضی جہلمی ۱۳؍فروری ۱۸۹۹ء کو مسجد ''حکیم حسان الدین'' سیالکوٹ میں پہنچے اور مرزا قادیانی کو اپنا غیر منقوط قصیدہ پیش کیا، جس میں تحریر تھا اگر آپ نبی ہیں اور آپ پر وحی نازل ہوتی ہے تو اس قصیدہ مہملہ کو حاضرین مجلس کے سامنے ترجمہ کر کے سنا اور سمجھا دیں، تو میں (ابوالفیض فیضی جہلمی) آپ کو سچا نبی تسلیم کرلوں گا، مرزا قادیانی نے کچھ دیر اس قصیدہ غیر منقوطہ کو دیکھا پھر اپنے ایک پیروکار کو دے دیا، بات اس سے بھی نہ بن سکی تو خلف نابلد نے پریشانی کی حالت میں فبهت الذي كفر کا مصداق بن کر یہ قصیدہ صاحبِ قصیدہ کو واپس کیا اور مرزا قادیانی نے کہا یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے آپ خود ہی اس کا ترجمہ کر دیجیے (۷۱)، یہ قصیدہ اکتالیس اشعار پر مشتمل حسین گلدستہ ہے۔ اس کے شروع کے اشعار اردو ترجمہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

لمالك ملكه حمد ، سلام علي مرسوله علم الكمال
حمودٍ أحمدٍ و محمدٍ و طهور مع أولاد وآل (۷۲)

بادشاہت کے مالک کے لیے تمام تر تعریف اور ان کے رسول پر سلام ہو جن پر علم اپنی انتہا کو پہنچا، جو حمود (سب سے زیادہ تعریف کرنے والے) احمد اور محمد ہیں اور اپنے اصحاب اور آل سمیت پاک ہیں۔

مرزا جمال الدین کرمانی (ت:۱۳۵۱ھ) کی ''اُسس الاصول'': بغیر نقطوں کی سجاوٹ کے الفاظ کی بارہویں نص علم الاصول میں لکھی گئی کتاب ''اُسس الاصول'' ہے، جس کو محمد بن غلام رضا شریف کرمانی نے لکھا ہے، جو مرزا جمال الدین کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں (۷۳)۔ یہ کتاب ۱۳۱۹ھ میں طبع ہوئی، جس میں اس کی ہر سطر کا ساتھ ساتھ فارسی ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور مفید حواشی بھی فارسی میں موجود ہیں، جو فہم عبارت میں بھرپور مدد دیتے ہیں۔ کتاب کو بے نقط خطبہ اور اس کے بعد غیر منقوط اجمالی فہرست سے شروع کیا گیا ہے۔ مرزا جمال الدین نے اس خطبہ کو ''اول الکلام اسم الملک العالم العلام'' کے عنوان سے معنون کیا ہے اور لکھا ہے:

أحمدُ حمدُ حُمِدَ أمدحه مدح الحمد له علی الحمد له، و المدح له علی المدح له حمداً لا حصر له و لا حد له و لا مدّ له و لا عدّ مدحًا عدد الرمل و الحصا ....۔(۷۴)

کتاب ۲۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔مصنف نے کتاب کے آخر میں فن معجم سے مزین خطبہ منقوشہ یعنی منقوطہ بھی لکھا ہے جس کو ہم فن منقوط کی روایت میں ذکر کریں گے،اسس الاصول مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

محمد امین علی نقوی (ت:۱۴۲۷ھ) کی ''محمد رسول اللہؐ اور رداء الوردہ'': غیر منقوط فن کی تیرہویں نص سید محمد امین علی نقوی فیصل آبادی کی دو کتابیں ''محمد رسول اللہ'' اور ''رداء الوردہ'' ہیں، پہلی کتاب جناب نبی کریم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا سے معطر ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کی ابتدا ایک خطبہ سے کی گئی ہے، جس کا نام ''ہوامع الاسلام'' رکھا گیا ہے۔آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمد لله الاول الاحد الصمد الملک الحکم العدل الحي المحي المعطي المحصي الواحد الواسع المصور الودود السلام ....۔(۷۵)

دوسری کتاب قصیدہ ''رداء الوردہ'' ہے۔عربی زبان میں غیر منقوط صلوٰۃ وسلام میں قصیدہ بردہ شریفہ کے طرز پر لکھا گیا ہے۔یہ ۷۶/ادبیات پر مشتمل ہے، ان میں سے نمونہ ملاحظہ ہو:

الحمد لله مودود الوری الحکم   و المدح للمرسل الامیّ و العلم (۷۶)

مصنف کا ایک غیر منقوط نعت شریف کا رسالہ اردو زبان میں بھی ہے اس کو ہم اردو کتب مہملہ میں ذکر کرتے ہیں۔

اردو ادب میں غیر منقوط روایت

عجمی زبانوں میں قلم کے کئی شہسواروں نے جب انوکھا لکھنے کی کوشش کی ہے، تو انہوں نے کسی نہ کسی صنعت کو اختیار کیا ہے، اس سلسلہ میں بعض نے غیر منقوط فن کو اپنی رہ گزر بنایا۔یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس فن کی کتب و رسائل اور شعراء و ادباء انتہائی کم ہیں لیکن پھر بھی طبع آزمائی ضرور کی گئی ہے۔اب ہم عجم میں عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں اس فن کے کام کو جاننے اور جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ابتدا اپنی قومی زبان ''اردو'' سے کرتے ہیں۔

غیر منقوط اردو زبان میں: اردو ادب ادبی اصناف سے پُر ہے۔اس میں صنعت مہملہ کسی بھی اور

زبان سے کم نہیں ہے بلکہ اگر ہم برصغیر کی حد تک یہ کہیں کہ غیر منقوط فن پر برصغیر میں دیگر زبانوں مثلاً: عربی، فارسی، ترکی، پنجابی وغیرہ میں سب سے زیادہ اردو زبان کے ادباء وشعرا نے لکھا ہے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم اردو ادب میں اشعار، قصائد، کتب و رسائل صنعت عاطلہ میں نسبتاً زیادہ پاتے ہیں، غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف مہملہ کے اس فن لغوی عقلی میں مختلف لوگوں نے کم یا زیادہ طبع آزمائی کی ہے اور تجربہ کے طور پر لکھنا چاہا تو پھر لکھتے چلے گئے، چونکہ یہ فن ایک مشکل ادبی نوع سے تعلق رکھتا ہے، اکثر ادبا، شعرا اس وادی سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں۔ اردو ادب کے ادبا و شعرا نے فن غیر منقوط کی نثر اور نظم دونوں میں قلم کو جولانی دی ہے۔ ہم پہلے غیر منقوط نثر کو اور دوسرے درجے میں غیر منقوط نظم کو بیان کرتے ہیں۔

فوت شدہ ادباء کے سن وفات اور بقید حیات نثری کتب کی سن طباعت کی رعایت کرتے ہوئے ان کے ادبی غیر منقوط شہ پاروں کو ذکر کریں گے۔

اردو غیر منقوط نثر

انشاءاللہ خان انشاء (ت: ۱۲۳۲ھ) کی ''سلک گوہر'': اردو ادب کی غیر منقوط تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے نظم ونثر میں سب سے پہلے انشاءاللہ خاں انشاء کا ادبی کام سامنے آتا ہے۔ انشاء یا انشاءاللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی ولادت ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۵۶ء میں مرشدآباد بھارت میں ہوئی اور وفات ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء کو لکھنؤ میں ہوئی (۷۷)، وہ لکھنؤ میں ہجرت کرکے آنے والے شعرا میں شمار ہوتے ہیں، انہیں کئی زبانوں پر مکمل دسترس حاصل تھی اور انھوں نے مختلف زبانوں میں خوب لکھا۔ وہ کثیر التصانیف تھے جن میں سے کچھ کے صرف نام ہی ملتے ہیں اور کچھ مطبوع یا مخطوطہ دستیاب ہیں، ایک اہم تصنیف اردو ادب کا پہلا بےنقط نثری مجموعہ جو چالیس صفحات کی کہانی ''سلک گوہر'' پر مشتمل ہے۔ یہ عشق ومحبت کی داستان ہے۔ اس میں عربی اور فارسی کے کلمات زیادہ مستعمل ہوئے ہیں، جیسا کہ ہم اس داستان کے شروع میں دیکھتے ہیں:

> درحمد ودرود رسول وولد عمّ وآل اطہار اُو، سلّمہم الملک السلام وکرّمہم، عالم عالم حمد، صحرا صحرا درود، اللہ صمد ودود اور رسول کردگار سر گروہ رسل محمد محمود اور آلہ اطہار.....(۷۸)

اس کہانی کا مخطوطہ رامپور رضا لائبریری میں ہے، اس کو امتیاز علی خان عرشی نے ۱۹۴۸ء میں

تصحیح کے ساتھ رامپور سے ہی شائع کرایا تھا، جس کی نقل راقم کے پاس موجود ہے۔

ولی رازی کی ''ہادی عالم'': فن عاطل کی دوسری نثر، سیرت طیبہ پر لکھی گئی کتاب ''ہادی عالم'' ہے، جو ولی رازی کی تصنیف ہے، ان کا پورا نام محمد ولی رازی بن محمد شفیع ہے۔ والد مفتی محمد شفیع اردو کی مشہور تفسیر معارف القرآن کے مفسر ہیں۔ ولی رازی جید عالم، ادیب اور صوفی ہیں۔ اردو زبان میں سب سے پہلی اور منفرد مکمل غیر منقوط سیرت طیبہ ہادی عالم نادر تالیف ہے۔ جس نے برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص اور اقوام عالم میں اردو داں طبقہ میں بالعموم شہرت پائی، جس کے بعد کئی لوگوں نے ادب کی اس نوع کو تجربہ گاہ بنایا۔ ہادی عالم نے ۱۹۸۳ء میں سیرت کی کتب کے مقابلہ میں پہلا انعام پایا اور حکومت پاکستان کی طرف سے مولف کو دس ہزار روپے انعام و اعزاز دیے گئے۔ کتاب چار سو سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ بسم اللہ کے اس غیر منقوط ترجمہ کے ساتھ کتاب کو شروع کیا ہے:

اللہ کے اسم سے کہ عام رحم والا، کمال رحم والا ہے۔(۷۹)

شمس الہدی ربانی کی ''سروں کے سودے'': اس سلسلہ کی تیسری نص بغیر نقطوں کے مغازی پر لکھی گئی کتاب ''سروں کے سودے'' ڈاکٹر شمس الہدیٰ ربانی کی تالیف ہے۔ جامعہ ربانیہ کراچی میں وہ استاذ الحدیث ہیں۔ جنہیں سیر و مغازی پر پہلی مکمل غیر منقوط کتاب لکھنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ کتاب ۲۰۰۶ء میں لکھی گئی اور ۲۰۰۸ء میں الہلال ٹرسٹ کراچی سے چھپی۔ کتاب ساڑھے تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے شروع میں غیر منقوط فہرست دی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر بسم اللہ کا غیر منقوط ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اللہ کے اسم (گرامی) سے کہ کلاں رحم والا مہرہ ور ہے۔(۸۰)

محمد یٰسین سروہی کی ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'': فن عاطل نثری کی چوتھی نص محمد یٰسین سروہی کی سیرت طیبہ پر لکھی گئی کتب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ یہ اس فن کی پہلی کتاب ہے، محض اس فن و ادب سے ناواقفیت اور کم علمی ہے، جو کئی دیگر مولفین اور شعراء کی طرح محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ موصوف کی کتاب ضخیم ہے جو ۵۴۴ صفحات کو گھیرے ہوئے ہے۔ نمونہ کے طور پر بسم اللہ کا غیر منقوط ترجمہ ملاحظہ ہو:

اللہ مالک کے اسم سے کہ وہ رحم والا اور کمال رحم والا ہے۔(۸۱)

عبدالغفار شیرانی کا غیر منقوط مضمون ''ملحد گامائی گروہ اور علمائے اسلام کا کردار'': اردو غیر منقوط نثر کا پانچواں شہ پارہ عبدالغفار شیرانی کا فتنۂ قادیانیت کے رد میں علمائے اسلام کی خدمات اور فتنۂ قادیانیت کی مختصر تاریخ پر لکھا گیا مضمون ''ملحد گامائی گروہ اور علمائے اسلام کا کردار'' ہے۔ جس میں ابتدائے قادیانیت سے لے کر پاکستانی قومی اسمبلی کی مکمل کارروائی تک کو بہت ہی خوبصورت اور سلیس غیر منقوط سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ مضمون کی چند سطور بطور نمونہ دیکھیں:

مکار گورے ہمارے ملک سوداگری کے واسطے وارد ہوئے، مگر سادہ لوح سوسائٹی کھوئے عوام اور سوئے حکام سے مل کر اارادے اور ہو گئے.... اس کالم سے اس ''داعی رسول'' کا اصل مدعا ہے کہ اس ملحد ''گامائی گروہ'' کے سرسری کردار کو لکھ کر اس کے گمراہ اعمال و کردار کو معلوم کرواسکے....۔(۸۲)

عظیم رائی کی ''دوسُسر دو داماد'': غیر منقوط نثر میں چھٹی نص ابو محمد محمد عظیم رائی کی، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے موضوع میں منفرد اور پہلی غیر منقوط کتاب ''دوسسر دو داماد'' ہے۔ کتاب ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء میں کراچی سے ادارہ اساس العلم سے چھپی ہے۔ نمونہ کے طور پر بسم اللہ کا غیر منقوط ترجمہ ملاحظہ کریں:

اللہ مالک کے اسم سے کہ وہ عمومی رحم و کرم والا ہے۔(۸۳)

کتاب کے ۲۸۴ صفحات ہیں۔

ڈاکٹر طاہر مصطفیٰ کا ''درس کلام اللہ'': سلسلہ مذکورہ کی لکھتے وقت تک ہمارے ناقص علم میں آخری نص قرآن کریم کا اردو زبان میں مکمل غیر منقوط ترجمہ ہے، جسے ڈاکٹر طاہر مصطفیٰ نے ۲۰۱۳ء میں مکمل کیا ہے(۸۴) اور ابھی تک مخطوطہ کی صورت میں ان کے پاس موجود ہے، زیور طبع سے آراستہ ہونے کا منتظر ہے۔

اردو غیر منقوط نظم

اب تک جو کچھ قارئین نے ملاحظہ کیا وہ اردو غیر منقوط نثر تھی، جو نظم کے مقابلے میں کم ہے، اب قارئین غیر منقوط نظم کو ملاحظہ فرمائیں:

انشاءاللہ خان انشاء (ت:۱۲۳۲ھ) کا ''دیوان بے نقط اور رباعیات'': ہم اردو نثر کی ابتداء میں کہانی ''سلک گوہر'' کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں کہ انشاءاللہ خان انشاء اردو میں سب سے پہلے غیر منقوط

لکھنے والے ہیں، انشاء نے جیسے اردو غیر منقوط نثر میں جوہر دکھائے، اسی طرح غیر منقوط نظم میں بھی اپنا لوہا منوایا، کلیات انشاءاللہ خان انشاء میں گیارہ صفحات کا دیوان بی نقط موجود ہے، جس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا ۔۔۔ آسرا اللہ اور آل رسول اللہ کا

اہل عالم کا سہارا کس کام رکھ ۔۔۔ ہر سحر گہ آسرا واللہ اوس درگاہ کا(۸۵)

کلیات انشاء میں غیر منقوط رباعیات بھی موجود ہیں، انشاءاللہ خان انشاء کی کلیات میں عربی، فارسی، ترکی زبان میں بھی غیر منقوط اشعار موجود ہیں، جن کو ان کے مقام پر ذکر کیا جائے گا۔

میر انیس (ت:۱۲۹۱ھ) کے "غیر منقوط مرثیے": اردو غیر منقوط نظم میں دوسری نص میر انیس کے غیر منقوط مرثیے ہیں، ان کا پورا نام سید ببر علی انیس ہے اور انہوں نے اردو ادب میں میر انیس کے نام سے شہرت پائی۔ وہ شاعر و ادیب اور مشہور مرثیہ گو تھے(۸۶)۔ بغیر نقطوں کے لکھے گئے مراثی میں سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ طاہر و اطہر ہوا گر معرکہ آرا ۔۔۔ معلوم ہو حمد اسد اللہ کا سارا

آگاہ ہو کس کہو عمر و کو مارو ۔۔۔ صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا

واللہ اک دم کو صمصام علم ہو ۔۔۔ ہر روح کو اس دم ہوس ملک عدم ہو(۸۷)

مرزا دبیر (ت:۱۲۹۹ھ) کا "طالع مہر": فن عاطل کی نظم میں تیسری نص مرزا دبیر کا دیوان طالع مہر ہے۔ مرزا دبیر کا پورا نام مرزا سلامت علی تھا اور ادبی حلقوں میں مرزا دبیر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی کئی تصنیفات ذکر کی جاتی ہیں، جن میں دیوان عاطلہ "طالع مہر" بھی ہے۔ یہ دیوان سلام، مراثی، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ اس میں کم و بیش ۵۵۷ غیر منقوط اشعار ہیں(۸۸)۔

اس دیوان میں مرزا دبیر نے اپنا غیر منقوط تخلص "عطارد" استعمال کیا ہے۔ چند اشعار کا نمونہ پیش ہے:

مداح ہوا مورد امداد رسول ۔۔۔ کھولا وہ در مدح کرو داد رسول

حلال مہمّ سرور کل ، مالک ملک ۔۔۔ واللہ رسول اور اولاد رسول(۸۹)

صبا متھراوی (ت:۱۹۸۸ء) کی "مصدر الالہام": اس سلسلہ عاطلہ کی چوتھی نص صبا متھراوی کا کلام ہے۔ صبا کا اصل نام رفیع احمد تھا اور ادبی حلقوں میں صبا متھراوی کے نام سے مشہور ہوئے، چونکہ

ان کی پیدائش ۱۹۱۴ء میں متھرا (ہند) میں ہوئی۔ اس لیے متھراوی کہلائے۔ وہ شاعر و ادیب تھے (۹۰)، ان کی تالیفات میں غیر منقوط "مصدر الہام" ہے۔ اس میں حمد، مدح رسول ﷺ اور مختلف عنوانات پر بے نقط رباعیات لکھی ہیں۔ یہ عمدہ تخلیق کا نمونہ ہے:

مسلسل درود اور مسلسل سلام   مدام و مدام و دوام و دوام
حرم ہو ارم ہو محمد کا گھر   دو عالم محمد کا ملک دوام
ہواؤ دکھاؤ محمد کا در   معطر معطر وہ دار السلام (۹۱)

راغب مراد آبادی (ت: ۲۰۱۱ء) کی "مدح رسول": صنعت اہمال میں اردو نظم میں پانچویں نص راغب مراد آبادی کی مدح رسول ہے۔ راغب کا اصل نام سید اصغر حسین تھا۔ وہ بلند پایہ نقاد، ادیب اور شاعر تھے۔ وہ ۱۹۱۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۰۱۱ء میں کراچی میں وفات پائی (۹۲)، متعدد تصنیفات ہیں، ان میں "مدح رسول" غیر منقوط نعتیہ کلام ہے جو ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دل محرم سرور سواد حرم ہوا   اللہ الصمد کہ مسلسل کرم ہوا
محمد کو مراد و مدعا لکھ   دو عالم کا سہارا آسرا لکھ (۹۳)

صادق علی صادق بستوی کی "داعی اسلام": فن غیر منقوط کی چھٹی نص صادق علی انصاری قاسمی، المعروف صادق علی صادق بستوی کی غیر منقوط منظوم مکمل سیرت طیبہ مسمی "داعی اسلام" ہے۔ وہ ۱۹۳۸ء میں اتر پردیش بھارت میں پیدا ہوئے، انہوں نے داعی اسلام میں تمام سیرت طیبہ کو منظوم لکھا ہے (۹۴)، حقیقت میں بستوی نے ولی رازی کی شہرۂ آفاق کتاب "ہادی عالم" کی غیر منقوط نثر کو نظم کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ اس بات کا اظہار وہ خود آغاز میں کچھ یوں کرتے ہیں:

ولی کی ہادی عالم ملی اک علم والے سے   ملا اک حوصلہ دل کو محرر کے مطالعے سے
ملا اک حوصلہ دل کو ملمع کردوں مصرعوں سے   معریٰ اس رسالے کو، مرصع کردوں مصرعوں سے (۹۵)

محمد امین علی نقوی (ت: ۱۴۲۷ھ) کی "محمد ہی محمد": اس سلسلہ عاطلہ کی ساتویں نص محمد امین علی نقوی کا مطبوعہ نعتیہ کلام "محمد ہی محمد ﷺ" ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۵ء جامعہ امینیہ رضویہ آزاد کشمیر سے چھپی جو کہ ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں سے ایک شعر ملاحظہ ہو:

وہی ہے، سارے مکارم کا مصدر و محور صدائے روح مہاں لا الٰہ الا اللہ (۹۶)

سید مختار علی گیلانی کی ''محامد وراء المعرا'': صنعت اہمال میں آٹھویں نص سید مختار علی گیلانی کی ''محامد وراء المعرا'' ہے۔ یہ فن مہمل کا حیران کن ادبی شاہکار ہے، جس میں چھ زبانوں میں غیر منقوط مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ کتاب ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس منفرد اور انوکھی تصنیف کی کئی خوبیاں ہیں، جن میں سے راقم صرف دو کوذکر کرتا ہے:

پہلی خوبی: مصنف نے بیک وقت چھ زبانوں اردو، پنجابی، سرائیکی، عربی، فارسی، انگریزی میں غیر منقوط نعتیہ کلام لکھ کر حیران کر دیا ہے۔

دوسری خوبی: اردو نعتیہ کلام میں ایک عجیب وغریب اسلوب اپنایا ہے۔ وہ یہ کہ شاعر نے اردو زبان کے ۱۹ حروف ہجائی غیر منقوط (ٹ، ح، د، ڈ، ر، ڑ، س، ص، ط، ع، ک، گ، ل، م، و، ہ، ء، ی، ے) کو استعمال کرتے ہوئے انیس باب بنائے ہیں اور ہر باب کو ایک غیر منقوط حروف سے خالی رکھا ہے، بایں طور کہ پہلے باب کے اشعار ''الف'' سے خالی، دوسرے باب کے ابیات کو ''ٹ'' سے خالی رکھا یعنی غیر منقوط ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اشعار اس حرف سے بھی معرا ہیں، اسی طرح انیس ابواب میں سے ہر باب ایک حرف سے معرا ہے، اس میں دو مشقتیں جمع ہیں۔ اول: غیر منقوط لکھنے کی مشقت کے ساتھ، دوم: ہر باب ایک حرف مہمل سے بھی خالی ہے۔ کسی شاعر نے اس انوکھے اسلوب کے مطابق پہلے لکھا ہے اور نہ ہی بعد میں۔

معرا ''س'' کی مثال:

والی و مولا وہی عالم کا آمر ہے وہی ماہ ومہر و لعل و گوہر کا مصور ہے وہی (۹۷)

یوسف طاہر قریشی کی ''روح عالم'': علم بدیع کی اس مشکل صنعت کی نویں نص یوسف طاہر قریشی کی ''روح عالم'' ہے۔ کتاب ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ نعتیہ اشعار میں سے ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

سہل ہو راہ مدح محمد مرے الٰہی مری دعا ہے
مدح طاہر الہامی ہے مدح رسول کا ملا صلہ ہے (۹۸)

سید تابش الوری کی ''سرکار دو عالم'': فن عاطل کی دسویں نص سید تابش الوری کی غیر منقوط نعتیہ کلام کی کتاب ''سرکار دو عالم'' ہے۔ کتاب تین محامد الٰہیہ اور ۳۳ نعتوں پر محیط ۱۸۰ صفحات پر

مشتمل ہے۔ ابتدا میں شاعر نے بے نقط نثر میں تقریظ بھی لکھی ہے۔ کتاب میں سے ایک عمدہ نعتیہ کلام کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

وراء الوریٰ ہے کمال محمد وصال علی ہے وصال محمد
کہے گر ہر اک حال سرکار مولا کہے کوئی کس طرح حال محمد(۹۹)

کامران اعظم سوہدری کی "مدح رسول": صنعت اہمال کی گیارہویں نظم کامران اعظم سوہدری کی غیر منقوط کتاب "مدح رسول" ہے۔ کتاب ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے۔ صاحب کتاب نے کتاب کو ان بیت سے شروع کیا ہے:

ہر سو اس کا عکس ہدیٰ ہر سو وہ آس عہد روا(۱۰۰)

منظر پھلواری کی کتب "ماہ حرا، والی لولاک اور ارحم عالم": غیر منقوط فن کی بارہویں، تیرہویں اور چودہویں نظم ماہ حرا، ارحم عالم، والی لولاک منظر پھلواری کی کتابیں ہیں۔ شاعر کا اصل نام عبدالمجید افضل ہے اور غیر منقوط تخلص "سائل" ہے۔ راقم کے لکھتے وقت منظر پھلواری کے مذکورہ تین رسائل مہملہ ماہ حرا، ارحم عالم، والی لولاک طبع ہو چکے ہیں۔ شاعر کو "ارحم عالم" کی تصنیف پر ۲۰۱۴ء میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے اور حکومت پاکستان نے ۳۵۰۰۰ روپے اس عظیم ادبی خدمات پر انعام دیا۔ ارحم عالم کا ایک عمدہ نمونہ پیش خدمت ہے:

حد ادراک سے ماورائے گماں وہ وراء الوریٰ کوئی اس سا کہاں(۱۰۱)

غیر منقوط روایت فارسی زبان میں

عربی اور اردو میں غیر منقوط روایت کے بیان کے بعد اب ہم فارسی میں غیر منقوط روایت کو بیان کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن جامی (ت:۸۹۸ھ) کا "دیوان بی نقط": فارسی ادب میں صنعت اہمال میں سب سے قدیم نص، جس تک ہماری رسائی ہوئی، وہ مولانا عبدالرحمٰن جامی کا دیوان بی نقط ہے۔ مولانا جامی کا اصل لقب عمادالدین اور مشہور لقب نورالدین ہے۔ مولانا جامی ۸۱۷ھ میں "خرد جام" میں پیدا ہوئے اور ۸۹۸ھ کو ہرات میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے۔ اپنے زمانہ کے ممتاز عالم، علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے(۱۰۲)۔ مولانا کی کئی تصنیفات ہیں جن میں دیوان بی نقط بھی شامل ہے،

جو مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۲ء میں طبع ہوا۔ دیوان ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا جامی نے دیوان کا آغاز حمد باری سے کیا ہے:

حمد لأحد الٰہ عالم را کو روا کردہ کام آدم را
ہمدم لا الٰہ الا اللہ کرہر حال محرم دم را(۱۰۳)

مولانا جامی کا مشہور نام جامی چونکہ منقوط ہے تو عبدالرحمٰن جامی نے دیوان میں غیر منقوط تخلص ''مادح'' استعمال کیا ہے:

گاہ دارد رسد ملالم را مادحا درد را کہ ہمدردم(۱۰۴)

انشاءاللہ خان انشاء (ت:۱۲۳۲ھ) کا قصیدہ ''طورالکلام'': فن غیر منقوط کی دوسری نص حروف معجمہ سے خالی قصیدہ ''طورالکلام'' ہے جو انشاءاللہ خان انشاء نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی مدح میں لکھا، جو اڑتالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ طورالکلام کا مطلع یہ ہے:

ہلاو مروحہ آہ سرد کو گام کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام(۱۰۵)

اس قصیدہ میں انشاء نے چار زبانوں (اردو، عربی، فارسی، ترکی) میں غیر منقوط اشعار لکھے ہیں اور مختلف صنعات سے قصیدہ کو مزین کیا ہے۔ یہ وہ اکلوتا قصیدہ ہے جس میں انشاء نے اپنا غیر منقوط تخلص ''لواراداللہ'' استعمال کیا ہے۔ بطور نمونہ عربی کے عربی اشعار پیش خدمت ہیں:

هو الإمام و أهل الولا عسكره هو المطاع و هادى كل أهل كلام
هو الإمام لكل الورا هو الأعلا مكرم أسد مائل مع الصمصام(۱۰۶)

احمد مکرم عباسی (ت:۱۳۱۳ھ) کا ''قصیدہ مہملہ'': اس فن کی اس زبان میں تیسری نص احمد مکرم عباسی کا قصیدہ مہملہ ہے جو انہوں نے اپنے رسالہ ''اسمع الاسمع'' کے آخر میں لکھا ہے۔ یہ قصیدہ چار صفحات پر مشتمل ہے۔ قصیدہ کا آغاز ان اشعار سے ہے:

صار دار العالم دار السلام والسلام علی الاوداء الکرام
علم آدم الاسماء کلها مدح علم آمد سراسر در کلام
در کلام اللہ آمد مدح علم علم راس المال آمد لا کلام(۱۰۷)

مولوی قبول محمد ''مثنوی سحر حلال وورد الاسحار'': اس فن کی بے نقط کی چوتھی نص مولوی قبول محمد

کا رسالہ مثنوی سحر حلال وورد الاسحار ہے، جو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۰۹ھ میں لکھنؤ سے طبع ہوا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سالک کہ سر وصال دارد واللہ ہوس محال دارد
دار و دل ما سر کل و مل در صومعہ صد ملال دارد
مرہم درد دل وصال آمد درد دل را دوا محال آمد
راحل مرحل ولاد و داد سالک مسلک کمال آمد (۱۰۸)

قدرت اللہ بیگ راد ملیح آبادی کی "مطالع المحامد اعنی اوراد معصومہ": فن غیر منقوط کی پانچویں نص مولوی قدرت اللہ بیگ راد ملیح آبادی کا دیوان مہمل ہے، جس کا نام "مطالع المحامد اعنی اوراد معصومہ" ہے۔ یہ دیوان ادبی بلاغی اصناف کا ذخیرہ ہے۔ دیوان ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں شاعر نے فعل کو انتہائی کم جب کہ اسم اور حرف کو ہی زیادہ تر استعمال کیا ہے اور اس میں اپنا بے نقط تخلص "راد" استعمال کیا ہے۔ ایک عمدہ نمونہ ملاحظہ ہو:

در اکرام صدر معلاء عالم رکوع سر دوحہ در کوہ و صحرا
در آواء ہر طائر کوہ صحرا محمد رسول آلہ معلا
ہمہ کوہ و صحراء دہر ممہّد مع سور آواء مولود والا (۱۰۹)

علی سلحشوری کی "اسرار آمال": صنعت اہمال کی چھٹی نص علی سلحشوری کا دیوان "اسرار آمال" ہے جو کہ ۵۳ صفحات کو گھیرے ہوئے ہے۔ دیوان کی ابتدا ان ابیات سے ہے:

در عالم سہم سودی دار ہر دم مدح ہر دم دمی مہمل در عالم
دمار ہمرہ ہم را در آور کہ مسرع عمر صد گم کردہ آدم (۱۱۰)

کمال الدین فراہانی کا قصیدہ "در وادی مہر": نقطوں سے خالی صنعت کی ساتویں نص کمال الدین فراہانی کا قصیدہ مہملہ ہے، جو سلطان الاولیاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں ہے۔ قصیدہ ۱۱۰ اشعار پر مشتمل ہے، قصیدہ کا نام "در وادی مہر" ہے۔ مذکورہ قصیدہ مکتبہ وثوق قم ایران سے چھپ چکا ہے، جو ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

غیر منقوط روایت پنجابی زبان میں: اس صنعت عجیب کو پنجابی زبان کے شعراء نے بھی اپنی

جولان گاہ بنایا ہے، جن چیزوں تک ہماری رسائی ہوسکی ہے۔ان کو ملاحظہ کیجیے:

صائم چشتی (ت:۲۰۰۰ء) کی ''صل علی محمدﷺ'': صنعت اہمال کی پنجابی ادب میں پہلی نص صائم چشتی کا منظوم کلام ہے، صائم چشتی کا اصل نام محمد ابراہیم ہے۔موصوف نبی کریم سرور دو عالمﷺ کے مشہور مدح سرا ہیں۔ان کا ایک ضخیم دیوان کلیات صائم چشتی کے نام سے چھپ چکا ہے۔اسی کلیات کے آخر میں ایک غیر منقوط حصہ ''صل علی محمدﷺ'' کے نام سے پنجابی زبان میں موجود ہے، جو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔نمونہ کلام دیکھیے:

رہواں کردا رو رو دعاواں اے مرے مولا کدی ٹکڑے در علی دے کھاواں اے مرے مولا

علی دے واسطے کر کے عطا واں لاہ دو وکدھرے مرے درد والم دا گل گلاواں اے مرے مولا (۱۱۱)

زاہد مجید کامل کی ''آمل ماہی'': غیر منقوط فن کی دوسری نص زاہد مجید کامل کا کلام ہے۔شاعر کا اصل نام زاہد مجید ہے اور تخلص ''کامل'' ہے۔انہوں نے پنجابی زبان میں غیر منقوط مکمل کتاب ''آمل ماہی'' کے نام سے لکھی ہے۔کتاب ۲۰۰۸ء میں بہاولپور سے مصنف نے خود طبع کرائی۔آمل ماہی ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔کتاب کی ابتدا ان اشعار سے کی:

لاواں ہوک اسی دی اللہ ساڈا مولا او حاکم کل عالم وسے کر کے اولا

اللہ ساڈی روح دا ما لک ساہاں کولوں کولے للہ ساڈا مولا کھرى گل دا رولا (۱۱۲)

کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ شاعر نے ہر شعر کا پہلا لفظ کلمہ توحید ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے حروف میں سے ایک حرف کو بالترتیب بنایا ہے۔نمونہ کے طور پر ''لا'' یعنی الف اور لام سے شروع ہونے والے الفاظ درج بالا اشعار کی ابتدا میں ملاحظہ ہوں۔

منقوط روایت: راقم پہلے ذکر کر چکا ہے۔یہ کاری گری اور فن کاری کے ساتھ حروف ہجائیہ منقوطہ جیسے (ب) اور غیر منقوطہ جیسے (ح) کو نظم اور نثر میں پرو کر کلام میں تنوع پیدا کرنا ہے۔جس کا تعلق محسنات لفظیہ سے ہے جو علم بدیع کی ایک مشکل نوع ہے، غیر منقوط یا مہمل کے مقابلے میں منقوط یا معجم حروف کے ساتھ لکھنے کا فن ہے، اس میں کاتب وہ حروف استعمال کرتا ہے جو صرف نقطوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اگرچہ دونوں کا تعلق محسنات لفظیہ بدیعیہ سے ہے اور دونوں مشکل نوع سے تعلق رکھتے ہیں، مگر فن منقوط غیر منقوط سے کہیں زیادہ مشکل اور ادق ہے، اس لیے اس فن میں بہت ہی کم لکھا گیا ہے، زبان

وادب کے شہسواروں نے صرف چند سطور ہی لکھیں، مثال کے طور پر ہم ملک الشعراء ابوالفیض فیضی کو دیکھتے ہیں، راقم کے ناقص علم کی حد تک عربی نثر میں غیر منقوط فیضی سے زیادہ اب تک کسی لکھنے والے نے نہیں لکھا، فیضی نے دو ضخیم تصنیفات موارد الکلم اور سواطع الالہام لکھیں، جب منقوط لکھا تو فقط چھ سطور ہی لکھ پائے، ایسے ہی ہم آنے والے صفحات میں علم وادب کے کوہ گراں اور ادب مہمل کے مایہ ناز سوار جن کی اس فن میں خدمات جلیہ وجلیلہ کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان سے بھی انتہائی کم منقوط کلام کاغذ کے سپرد ہوسکا، آیئے! اب ہم صنعت معجمہ میں ادبی کام کو ذکر کرتے ہیں:

علامہ حریری (ت:۵۱۶ھ) کا ''قصیدہ معجمہ'': صنعت اعجام یعنی فن منقوط کی پہلی نص علامہ ابومحمد القاسم حریری کا قصیدہ معجمہ ہے جو انہوں نے اپنی مقامات میں تحریر فرمایا ہے، یہ قصیدہ معجمہ چھ اشعار پر مشتمل مقاملہ حلبیہ میں موجود ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

فتنتني فجنتني تجني بتجن يفتن غب تجني
شغفتني بجفن ظبي غضيض غنج يقتضي تغيض جفني (۱۱۳)

صفی الدین حلی (ت:۷۵۰ھ) کا ''قصیدہ معجمہ'': صنعت منقوط کی دوسری نص صفی الدین حلی کا ''قصیدہ معجمہ'' ہے، جس میں پندرہ اشعار ہیں۔ قصیدہ کا آغاز ان ابیات سے ہوتا:

فتنت بظبي بغي خيبتي بجفن تفنن في قينتي
تجني فبت بجفن يفيض فخيبت ظني في يقظتي (۱۱۴)

ابوالفیض فیضی (ت:۱۰۰۴ھ) کا موارد الکلام میں ''خاتمہ معجمہ'': اس سلسلہ منقوط کی تیسری نص ملک الشعراء فیضی کا ''موارد الکلم'' کا منقوط اختتام ہے، جو ساڑھے چھ سطور پر مشتمل ہے۔ اس خاتمہ معجمہ کا ابتدائی حصہ پیش خدمت ہے:

ثبت فيضي نقش فيض غني نبذة قنية نبي خزينة فضة فيضية.....۔ (۱۱۵)

ناصیف الیازجی (ت:۱۲۵۹ھ) کا ''قصیدہ معجمہ'': صنعت اعجام کی چوتھی نص مشہور ادیب ناصیف الیازجی کا قصیدہ معجمہ ہے، جو انہوں نے اپنی کتاب ''مجمع البحرین'' میں ذکر کیا ہے۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

بشجي يبيت في شجن فتن ينتشبن في فتن (۱۱۶)

عبدالاحد بن امام علی الٰہ آبادی (ت:۱۳۰۷ھ) کی ''جب شغب یا فیض غیب'': اس انتہائی کم یاب منقوط صنعت کا ضخیم ادبی شاہکار قرآن کریم کے آخری پارے کی منقوط تفسیر ہے، جس کو عبدالاحد بن امام علی الٰہ آبادی نے تحریر کیا ہے اور اس منقوط تفسیر کا نام ''جب شغب'' یا بعض کتب کے مطابق ''فیض غیب'' رکھا (۱۱۷)۔ مفسر نے سورہ فاتحہ کی بھی غیر منقوط تفسیر لکھی ہے، جس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

الحمد　لله　يثني　ثنية

رب　العالمين　يغذي　غذية

الرحمٰن　الرحيم　يفضي فيض جيب (۱۱۸)

مرزا جمال الدین کرمانی (ت:۱۳۵۱ھ) کا ''خطبہ منقوشہ'': فن منقوط کی چھٹی نص مرزا جمال الدین کرمانی کا خطبہ منقوطہ ہے، جو انھوں نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''اسس الاصول'' میں لکھا ہے اور اس کا نام خطبہ منقوشہ رکھا ہے۔ کیونکہ کثرت نقاط نے اس خطبہ کو نقش و نگار سے مزین کر دیا ہے۔ یہ خطبہ نو اشعار پر مشتمل ہے۔ آغاز خطبہ ان کلمات منقوطہ سے ہے:

تثبت بيقين ينتج نتيجة تتقن　ثبت خشية يتب تب قن (۱۱۹)

حواشی

(۴۹) شبلی نعمانی، علامہ، شعر العجم، اعظم گڑھ، مطبع معارف، طبع سوم ۱۹۲۰ء، ۳/۳۱، ۳۲، مزید دیکھیے مآثر الکرام، ص ۱۵، تذکرہ علمائے ہند، ص ۴، تاریخ ادبیات ایران، ص ۳۴۹۔ (۵۰) فیضی، ابوالفیض، سواطع الالہام، لکھنؤ، منشی نول کشور، الطبعۃ الاولی، ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹م، ص ۳، ۴۔ (۵۱) شبلی نعمانی، شعر العجم، ۳/ ۶۴، ۶۵۔ (۵۲) فیضی، ابوالفیض، موارد الکلم وسلک درر الحکم، کلکتہ (الہند)، مطبع شیخ ہدایت اللہ، ۱۲۴۱ھ، ص ۱۔ (۵۳) علی الندوی، الحسنی، ابوالحسن، الامام السرہندی وحیاتہ واعمالہ، بیروت، دار القلم، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴م، ص ۸۸۔ (۵۴) فیضی، سواطع الالہام، ص ۲۔ (۵۵) المرجع السابق، ۶۹۵۔ (۵۶) المرجع السابق، ص ۲۴۷۔ (۵۷) آقا بزرگ الطہرانی، العلامۃ، الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ، بیروت، دار الاضواء، الطبعۃ الثانیۃ، بدون سنۃ الطبع، ۸/ ۱۳۳۔ (۵۸) المرجع السابق، ۱۷/ ۱۳۳۔ (۵۹) فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، کراچی، مکتبہ ربیعہ، بغیر سن اشاعت، ص ۴۶۹۔ (۶۰) عبدالحی الحسنی، الکھنوی، فخر الدین، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، بیروت، دار ابن حزم، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۰ھ/

۱۹۹۹م، ص ۸۲۴۔ (۶۱) فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، ص ۴۰۷۔ (۶۲) آقا بزرگ الطہرانی، الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ، ۴/ ۲۹۴، ۲۹۵۔ (۶۳) عبدالحی الحسنی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ص ۹۲۵۔ (۶۴) احمد علی خان، حافظ، تذکرہ کاملان رامپور، رامپور اسٹیٹ رامپور، ۱۹۲۹ء، ص ۲۶۱۔ (۶۵) عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ص ۱۱۲۰، وانظر للمزید الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند لعبدالحی الکھنوی، ص ۵۷ (۶۶) حسین عارف نقوی، سید، تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۴۰۴ھ، ص ۵۴۔ (۶۷) عبدالحی الکھنوی، نزہۃ الخواطر، ص ۱۳۸۸۔

(۶۸) M.G Zubaid Ahmad, H.A.R Gibb, The contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, P.H.D, University of London, 1929, Lahore: Sh. Muhammad Ashraf Kashmire bazaar, 1972, page: 105۔

(۶۹) احمد خان، الدکتور، معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الہندیۃ الباکستانیۃ، الریاض، مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰م، ص ۳۰۔ (۷۰) احمد مکرم، ملا، السمع الاسمع، حیدرآباد دکن، عثمان پریس، ۱۳۳۱ھ، ص ۳۔ (۷۱) محمد عبدالحکیم، شرف قادری، علامہ، تذکرہ اکابر اہل سنت، لاہور، نوری کتب خانہ، ۲۰۰۵ء، ص ۴۵۴، ۴۵۵۔ (۷۲) اللہ وسایا، مولانا، احتساب قادیانیت ردقادیانیت رسائل، ملتان، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، طبع اول، ۲۰۱۴ء، ۵۹/ ۴۳، ۴۲۔ (۷۳) الکحالۃ، معجم الموالفین، ۱۱/ ۱۱۲۔ (۷۴) جمال الدین کرمانی محمد، میرزا، اسس الاصول، بدون مطبع، ۱۳۱۹ھ، متوفر مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص ۶۔ (۷۵) محمد امین علی نقوی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فیصل آباد، سٹیزن پریس، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹م، ص ۱۴۔ (۷۶) محمد امین علی نقوی، رداء الوردہ، آزاد کشمیر، جامعہ امینیہ رضویہ، سنۃ الطبع، ۲۰۰۰م، ص ۱۶۔ (۷۷) عبدالحی لکھنوی، سید، مولانا حکیم، تذکرہ شعرائے اردو موسوم بہ گل رعنا، اعظم گڑھ، مطبع معارف، طبع ثانی، ۱۳۵۲ھ، ص ۲۵۷، ۲۶۱، مزید دیکھیے آب حیات، محمد حسین آزاد، ص ۲۴۱، لکھنؤ کا دبستان شاعری، ص ۱۴۹۔ (۷۸) انشاء اللہ خان انشاء، سلک گوہر، تصحیح امتیاز علی خان عرشی، رامپور، اسٹیٹ رامپور، طبع اول، ۱۹۴۸ء، ص ۲۔ (۷۹) ولی رازی محمد، ہادی عالم، کراچی، دارالعلم، اشاعت چہارم، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، ص ۲۹۔ (۸۰) شمس الہدی ربانی، ابوسلمان، ڈاکٹر، سروں کے سودے، کراچی، الہلال ٹرسٹ، طباعت اول، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، ص ۲۷۔ (۸۱) محمد یٰسین، سروہی، سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لاہور، مشتاق احمد، بغیر سن اشاعت، ص ۳۳۔ (۸۲) عبدالغفار، شیرانی، گامائی گروہ اور علمائے اسلام کا کردار، مشمولہ ختم نبوت، ہفت روزہ (مدیر اعلی، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری) شمارہ نمبر ۸، کراچی، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ۲۳ تا ۲۸ فروری، ۲۰۱۰ء، ج ۲۹، ص ۲۳۔ (۸۳) محمد عظیم رائی، ابو محمد، دوسسر دوداماد، کراچی، ادارہ اساس العلم، سن طباعت ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء، ص ۲۷۔ (۸۴) اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹکنالوجی لاہور۔ (۸۵) انشاء اللہ خان انشاء، کلیات انشاء اللہ خان،

لکھنؤ، مطبع نول کشور، طبع اول ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء، ص ۴۳۰۔ (۸۶) عبدالحی لکھنوی، تذکرہ شعرائے اردو موسوم بہ گل رعنا، ص ۵۱۲۔ (۸۷) تقی عابدی، سید تقی حسن، ڈاکٹر، انشاءاللہ خان انشاء، لاہور، القمر انٹر پرائز ز اردو بازار، طبع اول، بغیر سن اشاعت، ص ۹۔ (۸۸) عبدالحی لکھنوی، تذکرہ شعرائے اردو موسوم بہ گل رعنا، ص ۴۹۹، وانظر للمز ید، آب حیات، ص ۵۵۰۔ (۸۹) مرزا دبیر، عطارد، طالع مہر، تحقیق، ڈاکٹر سید تقی حسن عابدی، لاہور، اظہار سنز، سن طباعت ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۹۔ (۹۰) احمد حسین صدیقی، دبستانوں کا دبستان، کراچی، محمد حسین اکیڈمی، سن اشاعت ۲۰۰۵ء، ۲/ ۲۹۵۔ (۹۱) صبا متھراوی، مصدر الہام، کراچی، مکتبہ اردو ادب ناظم آباد، سن طبع ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء، ص ۵۷۔ (۹۲) احمد حسین صدیقی، دبستانوں کا دبستان، ۱/ ۱۸۱۔ (۹۳) راغب مراد آبادی، مدح رسول، کراچی، ایجوکیشن پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۱۔ (۹۴) صادق علی صادق بستوی، داعی اسلام، کراچی، الرحیم اکیڈمی، بغیر سن اشاعت، ۱/ ۱۱۔ (۹۵) ایضاً، ۱/ ۴۴۔ (۹۶) محمد امین علی شاہ نقوی، محمد ہی محمد، آزاد کشمیر، جامعہ امینیہ رضویہ، طبع دوم، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ص ۲۶۔ (۹۷) مختار علی گیلانی، سید، محامد وراء المعرا، میاں چنوں، گیلانی پبلی کیشنز، طبع سوم، ۲۰۱۰ء، ص ۴۵۔ (۹۸) یوسف طاہر قریشی، روح عالم، فیصل آباد، نعت اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۸۔ (۹۹) تابش الوری، سید، سرکار دو عالم، بہاولپور، مجلس ثقافت پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۵۷۔ (۱۰۰) کامران اعظم سوہدری، مدح رسول، لاہور، علم و عرفان پبلیشرز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۔ (۱۰۱) منظر پھلواری، ارحم عالم، فیصل آباد، احسن پبلی کیشنز، اشاعت دوم، ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۔ (۱۰۲) الواعظ الہروی، حسین بن علی الکاشفی، رشحات عین الحیاۃ فی مناقب مشائخ الطریقۃ النقشبندیۃ وآدابہم النبویۃ واسرارہم الربانیۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۸م، ص ۱۸۶-۲۱۷۔ (۱۰۳) جامی، عبدالرحمٰن، دیوان بی نقط، لکھنؤ، منشی نول کشور، ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء، ص ۵۔ (۱۰۴) ایضاً، ص ۵۷۔ (۱۰۵) انشاءاللہ خان انشاء، کلیات انشاءاللہ خان، ص ۲۲۵۔ (۱۰۶) ایضاً، ص ۲۲۷۔ (۱۰۷) احمد مکرم، السمع الاسمع ص ۱۷۔ (۱۰۸) قبول محمد، مولوی، مثنوی سحر حلال وورد الاسحار، دہلی، مطبع اثنا عشری، ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء، ص ۲۰۔ (۱۰۹) قدرت اللہ بیگ، مولوی، راد، ملیح آبادی، مطالع المحامد اعنی اوراد معصومہ، لکھنؤ، مطبع یوسفی، ۱۹۳۵ء، ص ۳۴۔ (۱۱۰) علی سلحشوری، اسرار آمال، بدون المطبع وسنۃ الطبع ص ۴۔ (۱۱۱) ایضاً ص ۶۸۴۔ (۱۱۲) زاہد مجید، کامل، آمل ماہی، بہاولپور، اسد ایڈورٹائزرز، سن اشاعت، ۲۰۰۸ء، ص ۴۔ (۱۱۳) ابو محمد القاسم، الحریری، مقامات الحریری، ص ۴۰۳۔ (۱۱۴) صفی الدین الحلی، دیوان صفی الدین الحلی، ص ۶۱۹۔ (۱۱۵) فیضی، موارد الکلم، ص ۱۷۵۔ (۱۱۶) ناصیف الیازجی، مجمع البحرین، ص ۹۱۔ (۱۱۷) احمد خان، معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الہندیۃ الباکستانیۃ، ص ۲۴۔ (۱۱۸) M.G Zubaid Ahmad, H.A.R Gibb, The contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature. page: 30۔

(۱۱۹) جمال الدین کرمانی، میرزا، اسس الاصول، ص ۲۵۲۔

تیرہویں صدی ہجری کے ایک گمنام منظوم سیرت نگار حاجی محمود مہاجر حسرتؔ مدراسی

ڈاکٹر راہیؔ فدائی

دکنی ادب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ نظم ونثر کی ابتدائی تحریروں اوران کی مختلف اصناف کا ماخذ و مصدر تسلیم کیا جاتا ہے۔اس امر کے ثبوت کے لیے حضرت بندہ نوازؔ (متوفی ۸۲۵ھ) کے دکنی رسائل (۱)، نظامیؔ بیدری کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" (تصنیف شدہ مابین ۸۲۵ تا ۸۳۹ھ) (۲) اورمحمد قلی قطب شاہ کا دیوان (۳) کا مطالعہ کافی ہے۔ان اولیات میں منظوم سیرت نگاری بھی ہے جس میں میلاد نامہ، معراج نامہ،نورنامہ،شمائل نامہ،معجزات النبیؐ،وفات نامہ وغیرہ شامل ہیں۔انہیں درحقیقت نعتیہ شاعری کے ضمن میں رکھا جانا چاہیے مگر جہاں تک منظوم سیرت کا تعلق ہے بقول ماہر دکنیات ڈاکٹر محمد علی اثرؔ اس کی شروعات قدرتیؔ بیجاپوری کی تصنیف "قصص الانبیاء" (قبل ۱۰۹۰ھ) سے ہوتی ہے (۴)۔بعدازاں غوثیؔ آرکاٹی (متوفی ۱۲۲۵ھ) کی مثنوی "ریاض مسعود" (تصنیف شدہ ۱۱۹۱ھ) کو اہمیت خاص حاصل ہے (۵)۔ان دونوں مثنویوں میں اول الذکر دس ہزار اشعار اور ثانی الذکر بارہ ہزار پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے لیکن ان مثنویوں کا موضوع صرف حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ نہیں ہے بلکہ ان میں دیگر انبیاء ورسل کے قصے اور واقعے بھی شامل کیے گئے ہیں جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے۔"ریاض مسعود" کے قلمی نسخے سالار جنگ میوزیم لائبریری،حیدرآباد اوراورینٹل مینواسکرپٹ لائبریری حیدرآباد کی زینت بڑھارہے ہیں۔البتہ اردو میں مستقل و مفصل سیرت نبویؐ منظوم کرنے کی سعادت اردو کے اولین نقاد علامہ باقر آگاہ ویلوریؒ (متوفی ۱۲۲۰ھ) کے حصے میں آئی،جنہوں نے "ہشت بہشت" کے نام سے منظوم سیرت تحریر کی جس کے جملہ اشعار نوہزار ہیں،بقول مولف "خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار":

نمبر ۲۱۔تیسرا کراس،عثمان اسٹریٹ،خوش حال نگر،کے جی ہلی،بنگلور ۴۵۔

"یہ (کتاب ہشت بہشت) دراصل آٹھ مختلف و مکمل رسالوں کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر ایک کے لیے مستقل حمد، نعت، منقبت غوث اعظم اور مدح مرشد کے علاوہ الگ الگ اوزان کا بھی التزام کیا گیا ہے، یہ کتاب ہشت بہشت درحقیقت امیر الامراء نواب حافظ محمد منور خاں امیر ابن والی کرناٹک نواب محمد علی والا جاہ (متوفی ۱۲۱۰ھ) کی خواہش پر لکھی گئی..... ان آٹھ رسالوں میں سے ابتدائی چھ رسائل ۱۱۸۴ھ سے ۱۱۸۶ھ تک مکمل ہو گئے تھے، بعد ازاں مختلف مصروفیات اور دیگر علمی مشاغل کی بنا پر طویل وقفہ کے بعد ۱۲۰۶ھ میں آخر کے دونوں رسائل تصنیف کیے گئے"۔(۶)

علامہ باقر آگاہ کی مثنوی "ہشت بہشت" کے بعد دکنی میں تخلیق پانے والی ضخیم منظوم سیرت طیبہ حاجی محمود صاحب مہاجر المتخلص بہ حسرتؔ کی "ریاض سیر" ہے جو دراصل حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری (ثانی) ذوقیؔ ویلوری (متوفی ۱۱۹۴ھ) کی منظوم و مبسوط سیرت پاک "معجز مصطفی" (فارسی) کا آزادانہ ترجمہ ہے۔ ذوقیؔ اردو کے مایہ ناز صاحب دیوان صوفی شاعر حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ ویلوری (متوفی ۱۱۸۲ھ) کے اکلوتے فرزند تھے، ذوقی کی ولادت ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۲۷ء میں ہوئی۔ "درخشاں" سے سال ولادت برآمد ہوتا ہے۔ اپنے والد ماجد سے کتب متداولہ فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی، معرفت و سلوک کے اعلیٰ مراتب بھی والد بزرگوار کے زیر سرپرستی کسب کیے اور ۹۹ سلاسل میں اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، شاہ قربیؔ کے وصال کے بعد منصب رشد و ہدایت پر فائز رہ کر تصنیف و تالیف میں منہمک ہو گئے۔ شاعری کا ذوق وراثت میں ملا تھا، نظم و نثر میں ان کی کتابوں کی تعداد ۶۰ سے بھی زیادہ ہے۔ بقول مولف "علی آثار":

"حضرت ذوقیؔ کی نثری تصنیفات علم تفسیر، علم حدیث، علم عقائد و فقہ، علم منطق، علم معانی، بیان بدیع، لغات، قواعد نحو و صرف، علم عروض پر محیط ہیں، ان کی منظوم تصنیفات میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، ترجیع بند، نظم بے نقط وغیرہ اصناف سخن میں اشعار کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے"۔(۷)

حضرت ایک پُر گو اور فطری شاعر تھے، ان کی قادر الکلامی پر ان کے معاصر علامہ آگاہ حیرت زدہ رہ جاتے تھے، علامہ آگاہ کی گواہی ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے ایک نشست میں سات سو شعر

موزوں کیے۔(۸)

حضرت ذوقیؔ کی تین مثنویاں تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں، ایک ''معجز مصطفی'' جو صرف ڈیڑھ ماہ میں مکمل ہوئی، دوسری ''نجیب نامہ'' نواب کرناٹک انور الدین خاں کے رفیق و مصاحب محمد نجیب خاں بہادر کے حالات و واقعۂ شہادت (۱۱۶۲ھ) کو شامل ہے اور تیسری ''در بے بہا'' نواب محمد علی والا جاہ کے فتح تنجاور کی تاریخ ہے۔ ''معجز مصطفی'' تقریباً ساڑھے سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے جسے انہوں نے ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں تحریر کیا تھا جب کہ ان کی عمر صرف تیس سال تھی، یہ معرکہ آرا مثنوی ۱۱۸۱ھ میں مدراس سے زیور طباعت سے آراستہ ہوکر بہت مقبول ہوئی (۹)۔ یہی وہ بلند پایہ مثنوی ہے جس کا ترجمہ حاجی محمود حسرتؔ نے مصنف کے انتقال کے ۵۳ سال بعد ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں دکنی زبان میں ''ریاض سیر'' کے نام سے کیا تھا، اس مثنوی کے دو نسخے تا حال دستیاب ہیں، ان میں سے ایک سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد کا مخزونہ ہے اور دوسرا کتب خانۂ محمدی، دیوان صاحب باغ، چنائی (ٹمل ناڈو) کی امانت ہے(۱۰)۔ علاوہ ازیں ''ریاض سیر'' اپنی تخلیق کے ۲۳ سال بعد ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں مطبع شرفیہ (مدراس) سے شائع ہوئی تھی مگر آج اس کے مطبوعہ نسخے بھی نایاب ہیں، البتہ ایک بوسیدہ کرم خوردہ نسخہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور (ٹمل ناڈو) کے کتب خانے میں محفوظ ہے، یہی مطبوعہ نسخہ راقم الحروف کا ماخذ و مرجع ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، وہ یہ کہ حضرت حسرتؔ کی مثنوی کا نام ''ریاض سیر'' ہے نہ کہ ''ریاض السیر'' جیسا کہ افضل العلماء محمد یوسف کوکنی نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے(۱۱)۔ یہ اس لیے کہ مثنوی کے اختتام کے موقع پر خود حسرتؔ نے رقم کیا ہے کہ اس کا نام ''ریاض سیر'' ہے اور سال تصنیف ''زہے معجز انبیاء'' سے استخراج شدہ سن ۱۲۴۷ھ ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

بفضل خدا خالق ذوالمنن ہوا جب کہ آراستہ یہ چمن
وہیں بلبل طبع تجویز کر رکھا نام اس کا ''ریاض سیر''
پھر آیا جو تاریخ کا کچھ خیال رکھے تا کوئی خوب سے حسب حال
تامل کے دریا میں پس غوطہ مار نکالے عجب گوہر آبدار
یہی وہ ہے تاریخ بس جاں فزا ''زہے معجز خاتم انبیاء''(۱۲)

حضرت حسرتؔ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، افسوس کہ سات ہزار سے زائد اشعار کے شاعر کا ذکر کسی بھی معروف تذکرے میں موجود نہیں۔ البتہ ''ریاض سیر'' کی اندرونی شہادتوں کے پیش نظر بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسرتؔ کا اسم گرامی حاجی محمود مہاجر ہے، اس نام کی صراحت مطبوعہ نسخے کے سرورق پر کی گئی ہے۔ ڈاکٹر افضل الدین اقبال مرحوم (حیدرآباد) کے بیان کے مطابق حسرتؔ کا نام حاجی غلام محمود مہاجر تھا اور وہ مدراس کے متوطن تھے (۱۳)، حضرت حسرتؔ گوشہ نشیں، مرنجاں مرنج اور صوفی شاعر تھے، پیکر علم وعرفان ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج اور خداترس بزرگ تھے، ''ریاض سیر'' اپنی عمر کے آخری دور میں تخلیق کی تھی، اس وقت ان کے پیرومرشد حضرت سید شاہ ابوالحسن (ثانی) قادری محویؔ ویلوری (متوفی ۱۲۴۳ھ) ابن حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ کا انتقال چار سال قبل ہوچکا تھا مگر ان کے شفیق وکرم فرما استاذ حضرت علامہ الحاج سید شاہ محی الدین قادری حیات تھے جن سے انہوں نے عربی وفارسی کے کتب متداولہ پڑھی تھیں۔ اس مقام پر ایک نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ حسرتؔ کے شیخ حضرت محویؔ اپنے اجداد کی طرح صاحب تصنیف بزرگ تھے، ان کا یہ وصف خاص ان کے مریدوں اور خلفاء کو بھی عطا ہوا ہے، چنانچہ حضرت محویؔ کے نامور خلیفہ شمس العلماء شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) بانی ام المدارس جامعہ باقیات صالحات، ویلور کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ حافظ عبدالقادر آتوری (متوفی ۱۲۵۱ھ) نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) کی گراں قدر فارسی تفسیر کا عربی ترجمہ ''التعریب القادری للتفسیر العزیزی'' کے عنوان سے ۱۲۴۹ھ میں کیا، حضرت محویؔ کے شاگرد و مرید جناب حسرتؔ نے ''معجز مصطفیٰ'' کا ترجمہ ۱۲۴۷ھ میں فارسی سے اردو میں کیا، اس طرح حضرت محوی کے فرزند و خلیفہ حضرت سید شاہ عبداللطیف (ثالث) قادری نقوی معروف بہ ''قطب ویلور'' (متوفی ۱۸۲۹ھ) نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی معرکہ آرا تصنیف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کا ترجمہ ۱۲۸۸ھ میں فارسی سے عربی میں کیا جب کہ وہ اپنے دوسرے حج کے دوران مکہ مکرمہ میں فروکش تھے، حضرت محویؔ کے ایک اور شاگرد و مرید میر محمد حیات قادری میسوری ابن میر محمد یوسف (متوفی ۱۲۸۱ھ) مصنف ''مصباح الحیات'' نے ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں مثنوی ''مفتاح الایمان'' تحریر کی جس کا موضوع عقائد وایمانیات ہے۔ یہ فہرست مزید طویل ہوسکتی ہے مگر یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔

حضرت حسرتؔ شاہ محویؔ کے شاگرد و مرید تھے نہ کہ شاہ ذوقیؔ کے جیسا کہ محترم یوسف کوکن عمری نے اپنی انگریزی تصنیف میں کہا (۱۴)۔ اس طرح ڈاکٹر افضل الدین اقبال کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ حسرتؔ حضرت قطب ویلور سید شاہ عبداللطیف قادری کے مرید تھے اور حضرت محویؔ سے بھی فیض پایا تھا (۱۵)، کیونکہ حسرتؔ نے منقبت غوث اعظمؒ کے آخر میں لکھا ہے کہ ان کے تصرف کی وجہ سے مجھے بصیرت حاصل ہوئی، کور چشم میں نور پیدا ہوا اور مجھے شاہ ابوالحسن کا در مل گیا، اس کے بعد حسرتؔ نے اپنے شیخ کی مدح سرائی کی ہے جس میں یہ اعتراف کیا کہ شاہ صاحب نے ان کے دل کو علم و عرفان سے بھر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں حسرتؔ نے شاہ عبداللطیف معروف بہ قطب ویلور سے بھی فیض پایا تھا، چنانچہ حضرت حسرتؔ کا ارشاد ؎

مرے دل کو قید غم سے چھڑا خوشی کی مجھے راہ دکھلا دیا
منور ہوئے تب مرے چشم کور دل تار نے میرے پایا ہے نور
ملا دوست سے ، چھوڑ دشمن کو میں مرا سر ہے اور اس کا در بعد ازیں
مجھے عالم مکر و فن سے چھڑا سہہ بوالحسن پاس پہنچا دیا

مدح شیخ المشائخ خاص درگاہ صمدی سید ابوالحسن قادری...... ؎

زہے ابوالحسن بحر جود و نوال عطا میں حسن ، بوالحسن در خصال
تمنا تھی اس کی صلاح انام حدیث حسن اس کے لب پہ مدام

سکھایا ہمیں علم عرفان کا بہت راز پنہاں دلوں میں بھرا

نہ دیکھا زمانے میں میں نے کسے جو تجھ سا شریعت کو محکم کرے
تمامی خلائق سے ہم لے کنار ترے آستاں پر ہیں امیدوار
گدایان دل خستہ پر لطف کر عطا کر کے ان کی خطا سے گذر
کرم سے نجھا حسرتؔ ریش پر کرامت کرا اے شاہ، درویش پر (۱۶)

حضرت حسرتؔ متاہلؔ تھے۔ خاندان بڑا تھا جس میں فرزند، برادران اور خویش و اقارب سبھی

تھے، انہوں نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے لیے بھی اپنے شیخ اور شیخ زادے حضرت قطب ویلور کی تعریف و توصیف کے بعد ان کے طفیل میں دعا کی، اشعار ملاحظہ ہوں ۔

طفیل ان بزرگوں کے سب اے خدا مرے دوستاں جو ہیں اور اقربا
سبھی فرزند و خویش و برادر تمام پنہ میں رکھ اپنے تو ان کو مدام
رہ راست پر ان کو رکھ سر بہ سر روا ان کے حاجات دارین کر
بتوفیق خیر ان کے تیں شاد رکھ دے علم و ہنر اور آباد رکھ
مری عرض ساری یہ ہووے قبول بحق شہ دیں محمدؐ رسول(۱۷)

حضرت حسرتؔ نے مثنوی ''ریاض سیر'' نظم کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے رقم کیا ہے کہ انہیں اپنی آخری عمر میں یہ خیال دامن گیر ہوا کہ انہوں نے اب تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے حیات جاوداں حاصل ہو، لوگ انہیں یاد کر کے ان کی وفات کے بعد ایصال ثواب کریں جیسا کہ اہل اللہ اور اصحاب خیر کے ساتھ ہوتا آرہا ہے، پھر اپنی کم مائیگی اور زبوں حالی پر نظر پڑی تو دل نے کہا کہ ثواب جاری کے لیے انہیں دادا پیر حضرت ذوقیؔ ابن شاہ قربی کی بے نظیر مثنوی ''معجز مصطفی'' کا دکنی زبان میں ایسا ترجمہ کرنا چاہیے جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچے اور پڑھ کر دعا دیں۔اس ضمن میں کہے گئے اشعار یہ ہیں:

''مرے جی میں یک روز آئی یہ بات کہ کچھ زندگی کو نہیں ہے ثبات
نہیں عمر دنیا کا کچھ اعتبار ہے اصل بنا اس کا ناپائیدار

موانیں ہے وہ چھوڑ جس نے گیا پل و مسجد و چاہ و مہماں سرا
میں آیا جو دنیا میں ہوکر غریب یہ تینوں بھی کاموں سے ہوں بے نصیب
نہ حاصل ہوا مجھ کو عرفان حق نہ طاعت سے پایا میں رضوان حق
جہاں میں نہ کچھ خیر جاری کیا یہ عمر عزیز اپنی چپ کھودیا
دریغا کہ حق پاس میرے تئیں سبب سرخ روئی کا کچھ بھی نہیں
مری عمر ناحق گئی سب گذر ملا نیں مجھے زندگی کا ثمر

گئے لوگ جیسے جہاں سے گذر اسی طرح میں بھی کروں گا سفر
تو اس وقت جز حسرت و درد و آہ نہیں ہے مرے ساتھ کچھ زاد راہ
کسی کو نہ مجھ سے ہوا فائدہ مرے بعد تا وہ پڑھے فاتحہ
کرے گا نہیں یاد مجھ کو کوئی نہ لیوے گا کوئی مرا نام بھی

گذرنے سے یہ بات جی میں مرے نہایت ہوئی بے قراری مجھے
ہوئی درد و غم کی جو آتش بلند تڑپنے لگا دل میرا جیوں سپند
نہ تھا دل یہ گویا کہ سیماب تھا نبٹ مرغ بسمل سا بے تاب تھا
میں دیکھا تپش سے جو فرصت نہیں ہوئی زندگی تلخ میرے تیئں
اس احوال میں مجھ پہ اے ہوشیار یکا یک ہوا فضل پرور دگار
کہ یکبار خاطر میں یہ آگیا کوئی ایسی تصنیف کیجیے بھلا
کہ ہو فائدہ اس سے لوگوں کے تیں کہ یہ بھی کم از خیر جاری نہیں

بملک سخن خسروِ نامور تخلص ہے ذوقیؔ جسے مشتہر
متانت میں جیسے نظامیؔ شہیر حلاوت میں سعدیؔ صفت بے نظیر
فصاحت میں سحباںؔ کا بے شک امام بلاغت میں عرفیؔ یک اس کا غلام
نظائر میں صائبؔ جو تھا بے نظیر تھا نازک خیالی کا اس کے اسیر
لکھا اس نے ہے پر شرف یک کتاب کہ بحرِ سیر میں ہے درّ خوش آب
ہے نظم اس کا اعجاز سے پر تمام بھی ہے ''معجز مصطفیٰ'' اس کا نام
تو ہندی میں کر ترجمہ اس کے تیں بشرطیکہ افہام سے ہو قریں
نہیں فارسی سے جو کوئی آشنا کرے گا ترے حق میں پڑھ کر دعا
جو حاصل کریں فائدہ سب عوام ثواب اس کا پہنچے گا تجھ کو مدام
رہے گا جہاں بیچ اے دل فگار یہی خیر جاری ترا یادگار

جو یہ مشورت دل نے مجھ کو دیا تو میں مستعد ترجمہ پر ہوا
وہیں ہاتھ میں لے کے میں نے قلم لگا ترجمہ کرنے اس کا رقم (۱۸)

حضرت حسرتؔ نے حضرت ذوقیؔ کی تحریر کردہ حمد، مناجات، نعت اور منقبت غوث اعظم کو اپنی جانب سے لکھا ہے اور کہا کہ اس کو ''ریاض سیر'' کا دیباچہ سمجھا جائے۔ اس تعلق سے لکھے گئے ابیات درج ذیل ہیں۔

مصنف کے حمد و مناجات کو بھی نعت و مناقب کو اے نیک خو
کیا ترجمہ اپنی جانب سے میں وہی اس کا دیباچہ ہے دل نشیں

پھر وہ کہتے ہیں کہ ترجمہ کے دوران بڑی دقت پیش آئی اور میں نے بڑی محنت اٹھائی اور بعض مقامات پر اصل پر اضافے بھی کیے تا کہ نظم کی زیب و زینت اور قارئین میں دلچسپی و دلکشی باقی رہے۔ لوگ اس سے خوب استفادہ کریں، اس مفہوم کے چند شعر پیش ہیں۔

عزیزو! لکھا ہوں جو میں یہ کتاب اٹھایا ہوں محنت بہت بے حساب
میں ابیات کو اصول کے بھی کہیں لکھا ہوں بلا ترجمـــہ اے .....
کہ تا اس سے اس نظم کو ہووے زیب ہو یہ نامہ ہر ایک کا دل فریب

سبب تالیف کے آخر میں انہوں نے ناظرین سے درخواست کی کہ اگر اس میں کہیں خطا و خلل دیکھیں تو اصلاح کر دیں اور عیب چینی سے پرہیز کریں۔

جو ہیں ناظراں اس کے، ان کے حضور یہی ہے مری التجا بالضرور
خطا یا خلل گر کہیں اس میں ہو کرم کر یہ عاصی پہ اصلاح دو
وگر نہ رہ لطفـــــ سے بالضرور رکھو عیب چینی سے خاطر کو دور (۱۹)

''ریاض سیر'' چار سو چھتیس صفحات پر محیط ہے جس میں حمد و مناجات اور نعت و منقبت پر مشتمل دیباچہ، نصیحتِ پدر (حضرت ذوقی) برائے پسر (حضرت محوی) اور سبب تالیف کے علاوہ ''معجز مصطفی'' کی طرح انیس مقالہ جات، تتمہ اور حسرتؔ کی طرف سے رقم کردہ خاتمہ درج ہے۔ آخر میں ترقیم کے طور پر کاتب کا نام حاجی سید عبدالقادر قادری اور تاریخ کتاب ۱۶؍ ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ لکھا گیا ہے۔

اس گراں قدر مثنوی کے نظم نگار حضرت حاجی (غلام) محمود مہاجر حسرتؔ کے ہم نام

خان بہادر مولوی غلام محمود مہاجر ابن احمد حسین مہاجر ہیں جو کرناٹک سرکار میں ڈپٹی سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے، موصوف کے جدامجد حامد سعید خاں بہادر سلطان ٹیپو شہید کے دربار میں بارسوخ فرد تسلیم کیے جاتے تھے، مولوی غلام محمود مہاجر دینی وعصری علوم وعصری فنون کے مجمع البحرین تھے، برٹش انڈیا نے آپ کو ۱۸۹۷ء میں خان اور ۱۹۰۱ء میں خان بہادر کے لقب سے نوازا تھا (۲۰)۔ خان بہادر غلام محمود مہاجر کے تعلقات حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین قادری ویلوری (متوفی ۱۳۲۵ھ) ابن حضرت قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ) سجادہ نشین آستانۂ اقطاب ویلور و بانیٔ دارالعلوم لطیفیہ سے مستحکم تھے۔ چنانچہ غلام محمود نے مذکورہ دارالعلوم سے جلسۂ تقسیم اسناد منعقدہ بتاریخ ۹ر شعبان ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اپنے خطاب مستطاب سے طلبۃ العلوم کو مستفیض بھی فرمایا۔ (رودادِ جلسۂ دستار بندی مطبوعہ ۱۳۱۱ھ)

حضرت حسرتؔ کا نسبی تعلق قوم نوائط سے ہے، ”مہاجر“ ان کا خاندانی لقب ہے جو نسلاً بعد نسلٍ نام کا لاحقہ بن کر چلا آرہا ہے، بقول مولف ”تاریخ النوائط“:

> ”یہ لقب (مہاجر) اس خاص گروہ کا ہے جو حوالی مدینۂ مطہرہ میں سکونت پذیر تھا حجاج بن یوسف کے مظالم سے جب تمام افراد قوم کا اجتماع مدینۂ مطہرہ میں ہوا تو مہاجر سے موسوم ہوئے جب ساری قوم بہ ہیئت مجموعی مدینۂ مطہرہ سے ہجرت کر کے بغداد آئی تو کل افراد قوم مہاجرین کہلائے، اس لقب کے اکثر افراد حیدرآباد میں موجود ہیں“۔ (۲۱)

حضرت حسرتؔ کا انتقال ”ریاض سیر“ کی طباعت ۱۲۷۰ھ سے قبل ہو چکا تھا، اس لیے کتاب کے سرورق پر اسم گرامی کے ساتھ ”غریق بحر رحمت“ لکھا ہوا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جنوب کے کثیر التصانیف بزرگ شاہ عبدالحی قادری احقرؔ بنگلوری (ولادت ۱۲۳۵ھ/وفات ۱۳۰۱ھ) خلیفہ قطب ویلور قدس سرہ جو حضرت حسرتؔ کے بعد خانقاہ اقطاب ویلور کے خوشہ چیں ہوئے تھے، انہوں نے ”ریاض سیر“ کے بعد ”جنان السیر“ کے نام سے ۱۲۷۵ھ میں مفصل منظوم سیرت پاک تحریر کی، یہ عین ممکن ہے کہ حضرت کو ”ریاض سیر“ سے ”جنان السیر“ لکھنے کی تحریک ملی ہو۔ ”جنان السیر“ کا تعارف کراتے ہوئے مولف ”خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار“ رقم طراز ہیں:

''حضرت احقرؔ نے سیر طیبہ کو پہلی بار مبسوط طور پر واقعات کے جزئیات
کے ساتھ اردو زبان میں نظم کیا اور اس کتاب کا نام ''جنان السیر فی احوال سید البشر'' رکھا۔
یہ مثنوی تقریباً بیس (۲۰) ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دو دفتر ہیں اور ہر دفتر
چار چمن (باب) سے سجایا گیا ہے، حضرت احقرؔ نے سات چمن خود ہی لکھے مگر آٹھواں
چمن (معجزات محمدیؐ) اپنے لائق و فائق فرزند عبدالقادر علی صوفی سے لکھوایا''۔ (۲۲)

حضرت حسرتؔ کے معاصرین میں علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ)، علامہ عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی ثم مدراسی (۱۲۲۵ھ)، علامہ حافظ عبدالقادر آتوری (۱۲۵۱ھ)، علامہ قاضی ارتضیٰ علی خاں صفوی مدراسی (متوفی ۱۲۷۰ھ)، علامہ سراج العلماء سعید اسلمی مدراسی (متوفی ۱۲۷۲ھ)، حضرت میر محمد حیات قادری میسوری (۱۲۸۱ھ)، حضرت سید شاہ عبداللطیف معروف بہ قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ)، حضرت حکیم زین العابدین مائل ویلوری (متوفی ۱۲۹۷ھ) وغیرہ علماء و صلحاء کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ مگر افسوس کہ ان بزرگوں سے حسرتؔ کے روابط و تعلقات کا علم نہیں ہے حالانکہ مذکورہ اہل علم و فضل سبھی علاقۂ مدراس سے تعلق رکھتے ہیں۔

کتاب اور صاحب کتاب کے تعارف کے بعد مثنوی ''ریاض سیر'' کے مختلف حصوں سے نموتناً اشعار پیش کیے جارہے ہیں تاکہ شاعر کی فنی صلاحیتوں اور فکری بلندیوں کا اندازہ ہوسکے اور تخلیق کار کی قادرالکلامی اور قوت متخیلہ کی کارفرمائی کا علم ہوجائے۔

حمد

خدایا سزاوار شاہی تجھے — تو صاحب ہے سب خادماں ہیں ترے
دل و جاں ترے بندہ فرماں مدام — دل و جاں سے ہیں ہم بھی تیرے تمام
کیا ہے جو تو تن کو محکوم جاں — رکھا ہے بہت اس میں حکمت نہاں
کھڑا کرکے خوبی یہ ..... سپہر — تو روشن کیا چہرۂ ماہ و مہر
سنوارا بلندی سے افلاک کو — تو پستی سے زینت دیا خاک کو
ترے حکم میں سب مَلک اور مُلک — ہے تجھ بحر احساں سے چرخ ایک فلک
منور ہے تجھ میں سے ماہ تمام — لڑی کو ہے تاروں کے تجھ سے نظام (۲۳)

نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت حسرت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

امام رسل، رہبر انس و جاں امان زمین و امین زماں
محمدؐ نبی شاہ ابرار ہے کلید در گنج اسرار ہے
محمدؐ کو جب حب سے حصہ دیا حبیب اور محبوب اپنا کیا
ٹھکانا تو محبوب کا جان ہے بھئی اس کے اوپر جان قربان ہے
ہے فتراک میں اس کے دست نہاں گھسا خاک پر اس کے سر آسماں
ارم ہے خجل اس کے ایوان سے ہیں رضوان اسیر اس کے رضوان سے
شفیع الخلائق بمحض الکرم رفیع المراتب امام الامم
در افشاں ہوا ابر کف اس کا جب گئی بس در افشائی ابر سبب
دل اس کا ہے دریا سے احساں میں بیش کف اس کا ہے معدن سے بخشش میں بیش
فلک ہے زمیں بوس اس کا مدام ملک حلقہ در گوش اس کے تمام
فلک جب سے در پر گھسا اس کے سر شب و روز اس پر ہے شمس و قمر
نسیم کرم اس کی در وقت کار نکالی ہے کانٹے سے گلشن ہزار
ہوے اس کے لب سے جو ظاہر علوم معطل ہوا جملہ عالم نجوم
جہاں کو دیا دین سے روشنی سیاہی سویدا کی دل سے گئی(۲۴)

واقعہ معراج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے تمہید میں اپنے کمال فن اور جدت سخن کا ثبوت دیا ہے، فنکارانہ قدرت، بلند تخیل اور معنی آفرینی کی عمدہ مثال ذیل کے اشعار سے عیاں ہوتی ہے۔

تھی مشکیں شب اک یار کی زلف سی نہ ایسی معنبر ہوو بو یار کی
زبس اس میں تھی روشی جلوہ گر کہ خورشید نکلا ہے شب آن کر
فلک میں چھپا مہر اس نور سے کہ جیوں تیرگی آگے خورشید کے
بہر یک طرف شعلۂ نور تھا فراہم مگر مشک و کافور تھا
شب نور از بس وہ رکھتی تھی نور کہ طبع جہاں سے کدورت تھی دور

سیاہی کیا منہ سے دور آسماں کہ تسبیح سے روئے تسبیح خواں
ہوئی اس قدر رات روشن تمام ہوا روز روشن کا بس رات نام (۲۵)

صدیوں سے مصنّفین اہل سنت کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ حمد ونعت کے بعد حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت بصورت منقبت پیش کرتے ہیں، حضرت حسرت نے بھی اسی طریقۂ سلف کو اپناتے ہوئے اشعار کہے ہیں جن میں شعریت وتخیل کی فراوانی نظر آتی ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

زہے عبد قادر شہ حق پرست زبردست سب اس کے ہیں زیردست
بزرگ بزرگاں ہے وہ محترم پناہِ عرب اور امان عجم
رہے غوث اعظم امام انام قدم جس کا ولیوں کے سر پر تمام
مشائخ مشائخ ہوئے اس سے سرافراز قطب اور اوتاد بھی
کیا جو کہ جان اس کی رہ میں سبیل وہ اس کو دیا چشمۂ سلسبیل
بلندی میں مانند قطب وفلک یہ قطب فلک دو ہیں اور وہ ہے یک
تقرب کے حق میں وہ عالی ہمم گیا مصطفٰے کے قدم پر قدم
فلک جیوں زمیں اس کی ہے زیرپا زمانہ سدا اس کو ..... کیا (۲۶)

ذوقیؔ نے اپنی گراں مایہ مثنوی ''معجز مصطفی'' میں اپنے فرزند حضرت محویؔ کو طویل نصیحت فرمائی تھی جس کا اختصار حضرت حسرتؔ نے مثنوی ''ریاض سیر'' میں تحریر کیا ہے، ان نصائح میں سے صرف دو پند ہدیۂ ناظرین پیش کیے جاتے ہیں جنھیں حضرت محویؔ نے اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنایا تھا اور اس پر تاحیات ان کا عمل رہا۔ ایک نصیحت درج ذیل ہے ؎

دیا کر غریبوں کو سیم اور زر جو تجھ پاس ہو ور نہیں عذر کر
فقیروں میں بخشش کیا کر مدام تو بر لا امیدوں کو ان کے تمام
تو دل جوئی بے دلاں کر سدا کیا کر غریبوں پہ بذل و عطا
جو آوے تجھے زخمیٔ غم نظر لگا مرہم لطف اس زخم پر
جو پابند غم کوئی تجھ کو دیے چھڑا اس کو غم سے خدا کے لیے (۲۷)

حضرت محویؔ نے اپنے والد ماجد کی مذکوہ بالا پند و نصیحت کی مکمل پابندی کی، بقول مولف "خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار":

حضرت محوی متوکل علی اللہ بزرگ تھے تاہم آپ کی جود و نوال اور عطا و افضال کے چرچے حیران کن تھے، بقول حضرت شاہ عبدالحئی احقرؔ بنگلوری ؎

کہ بیاں اس کے ہو توکل کا اور قناعت کا اور تبذل کا
اور سخاوت میں اس کی شان اعلیٰ ایسا بخشا تھا لطف سے مولیٰ
کہ امیروں کو تھی پشیمانی اغنیا کو کمال حیرانی

پوتے حضرت سید شاہ رکن الدین محمد قادری ابن حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی معروف بہ قطب ویلورؒ فرماتے ہیں:

"حاتم وقت ایسے کہ علاوہ روپیوں کے سات سو گھوڑے اللہ کی راہ میں خیرات فرمائے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہ اکثر فرماتے تھے کہ والد ماجد کی صحبت میں (تقریباً) چالیس سال رہا کبھی آج کی چیز کو کل کے لیے رکھنے کو نہیں فرمائے"۔(۲۸)

دوسری نصیحت مصنف "معجز مصطفیؐ" نے اپنے صاحبزادے کو اس طرح کی جسے انہوں نے حرز جاں بنائے رکھا تھا ؎

جو بد ہے فقیر، اس کو مت بول زشت تو کر اس سے نیکی نہ کہہ بدسرشت
بد اخلاق پاوے تو اس کو اگر ہے یک اس میں نیکی تو سو طرح شر
نظر یک پہ کر، اس کے سو پر نہ کر تو کہہ نیک اس کو، بدی سے گذر

جس شخص میں سو طرح کے شر ہوں اور سو برائیاں ہوں اور ایک خیر ہو، ایک اچھائی ہو تو اسے خیر سے، بھلائی سے یاد کرنے کی نصیحت گراں قدر اور بے نظیر ہے۔ حضرت محویؔ کی پاکیزہ زندگی اس کا جیتا جاگتا نمونہ بنی ہوئی تھی، انہوں نے کبھی کسی کی برائی نہیں کی، دشمن کو بھی بھلائی اور نیکی سے سرفراز کیا:

"ریاض سیر" میں جیسا کہ قبل ازیں کہا گیا انیس مقالے (باب یا فصل) ہیں جن میں سے پہلا مقالہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان و تشریح میں ہے۔ حضرت حسرتؔ نے اس ضمن میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا سراپا بڑے ہی معنی آفرین اور عمدہ وشستہ پیرائے میں لکھا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کیا حکم ارواح کو پس یہ رب — کہ دیکھیں وہ نور مقدس کو سب

سب اس وقت بے خود ہوئے شوق سے — لگے نور احمدؐ کے تیں دیکھنے

پڑی سر اپر اسؐ کے جس کی نگاہ — ہوا ہے جہاں بیچ وہ بادشاہ

پڑی اسؐ کے آنکھوں پہ جس کی نظر — ہوا حفظ قرآن سے وہ بہرہ ور

نظر جبہ پر اسؐ کے جس نے کیا — جہاں بیچ وہ شاہ عادل ہوا

بھووں پر کیا اسؐ کے جس نے نظر — ہوا پس وہ نقاش صاحب ہنر

جو کان اسؐ کے دیکھا وہ مقبل ہوا — جو رخسار دیکھا سو عاقل ہوا

نظر ناک پر اسؐ کے جس کی پڑی — ہوا وہ طبیب اور عطار بھی

جو کوئی کہ دیکھا لب لعل فام — وزیری میں اس نے کیا خوب نام

دہن پر نظر اسؐ کے جس نے کیا — ہوا روزہ دار اور روزہ رکھا

جو دانتوں کو دیکھا وہ خوش رو بنا — زباں جو کہ دیکھا سو درباں ہوا

جو حلق اسؐ کا دیکھا سو واعظ ہوا — موذن بھی اس نے ہوا برملا

جو داڑی کو دیکھا مجاہد ہوا — دل و جاں سے راہ محاسن لیا

بھی دیکھا جو وہ گردنِ زیب دار — تجارت کا پیشہ کیا اختیار

جو بازو کو دیکھا سو ہے لشکری — ہے گردن کشاں پر اسے سروری (۳۰)

حضرت حسرتؔ نے ”ریاض سیر“ کے آخری انیسویں مقالے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پردہ فرمانے کا واقعہ تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اختتام کے اشعار میں اپنی فنی چابک دستی اور فکری بوقلمونی کا اظہار کیا ہے۔ ابیات ملاحظہ ہوں ؎

گیا شاہ مولود کی بارویں — یہ دنیا سے باغ ارم کی تیئں

تن اس کا جو تھا مثل جاں برزمیں — زمیں جی اٹھی جب گیا در زمیں

زمیں پائی جب رتبہ ایسا بڑا — ہوا غم سے قد آسماں کا دوتا

ہوا گنج وہ جب زمیں میں نہال — کیا کنج غم اختیار آسماں

لیا جب سے وہ جاز میں قرار فلک ہو رہا ہے زمیں پر نثار(۳۱)

حضرت حسرتؔ کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد تھا، ''معجز مصطفیٰ'' کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ ترجمانی بھی کی، اپنے طور سے اضافے کیے، سلاست وروانی کا خاص خیال رکھا، صنائع و بدائع کا جا بجا بھرپور استعمال کیا، تشبیہوں اور استعاروں سے مثنوی کا دامن بھر دیا، اس طرح ''ریاض سیر'' کو تخلیقی درجہ عطا کیا، اسی لیے مثنوی کے اختتام پر اس کی خوبیوں اور اس کے لفظی و معنی محاسن کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

بحمد اللہ یہ نامہ با احترام بخوبی لیا صورت اختتام
نہیں نامہ یہ بلکہ ہے باغ نور جسے دیکھ جنت پڑی در قصور
عبارات ہیں اس کے سب دل ربا اشارات ہیں اس کے بس جانفزا
سواد سطور اس کے نوروں سے پر بظاہر شبہ اور باطن میں ڈر
جو خضر اس کے حرفوں کو دیکھا نجھا لیا اس کی ظلمت سے آبِ بقا
خطوط اس کے سب رشک مشک خطا نہ آہو کو اس دو دماں میں جگا(۳۲)

مثنوی میں معنی آفرینی اور دلکشی پیدا کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی، خون دل کو جلایا، بحر فکر میں غوطہ زنی کی، بیان سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغات کو سرسبز و شاداب رکھنے اور اس کی خوبصورتی و دل آویزی کو دوبالا کرنے کے لیے خوب محنت و مشقت کی، اگر کہیں اصل عبارت کا مفہوم کھل نہ سکا ''معجز مصطفیٰ'' کے مصنف حضرت ذوقی سے روحانی مدد مانگی جس سے شرح صدر ہوتا گیا، اس طرح یہ مثنوی ''ریاض سیر'' اسم با مسمی ثابت ہوئی۔ اس تعلق سے یہ ابیات ملاحظہ ہوں۔

بہت فکر کی بحر میں ڈوب کر نکالا ہوں میں ایسے روشن گہر
جو میں دل کو اپنے خوں کیا تو یہ لعل پارے بنے بے بہا
نہیں صرف الفاظ ہیں یہ شگرف مرا لخت دل ہے ہر ایک اس کا حرف
جو سرسبز یہ باغ رنگیں ہوا مرے خون دل سے ہی پالا گیا
لکھا ہوں جو میں یہ مقدس کتاب اٹھایا ہوں محنت بہت بے حساب
نہ تھی یہ لیاقت مجھے بالیقیں کروں ترجمہ نظم کو ایسے میں

نہ ہوتی مصنف کی تائید گر — تو یہ کام تھا مجھ سے دشوار تر
جب اس نظم کے ترجمہ کے لیے — کسی جا میں دشوار ہوتا مجھے
تو چہتا مصنف سے تائید میں — پس آسان ہوتا وہ میرے تئیں
خدا کا وہ جب خاص تھا بے گماں — کرے کیوں نہ امداد بے چارگاں
زہے ذوقیؔ قطب روشن ضمیر — سپہر ولایت کا مہر منیر
وہ تھا تاجور ملک تصنیف کا — مصنف ہو ایسا کہاں دوسرا
اگرچہ نہ تھی عمر اس کی زیاد — دیا پر تصانیف میں اس نے داد
یک و نیم مہہ میں جو عالی جناب — لکھا ''معجز مصطفیؐ'' سی کتاب (۳۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت حسرتؔ نے ''ریاض سیر'' تخلیق کرکے نہ صرف منظوم سیرت نگاروں میں اپنا مقام ومرتبہ بلند کیا ہے بلکہ لسانی اعتبار سے بھی اپنی مثنوی کو شہرت دوام عطا کیا ہے (۳۴)، نقادان سخن کو اس مثنوی کے مزید محاسن ومزایا کی جانب توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مآخذ وحواشی

(۱) راہی فدائی ڈاکٹر، ''استشہاد'' کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور مطبوعہ ۲۰۱۲ء ص ۶۹۔ (۲) محمد علی اثر ڈاکٹر، ''عادل شاہی دور میں اردو غزل'' کرناٹک اردو اکادمی بنگلور، تاریخ اشاعت ندارد، ص ۸۔ (۳) محمد علی اثر ڈاکٹر، ''قدیم اردو غزل'' نشاط پبلی کیشنز، محبوب چوک، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۱۱ء ص ۱۷۔ (۴) ایضاً ''قصص الانبیاء'' مخطوطہ، مخزانۂ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد۔ (۵) ''ریاض مسعود'' غوثی آرکاٹی کی مثنوی قصص الانبیاء کا تاریخی نام ہے۔ (۶) راہی فدائی ڈاکٹر ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار'' مطبوعہ الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد ۲۰۱۶ء ص ۱۲۶۔ (۷) ایضاً ۹۵۔ (۸) محمد غوث خاں بہادر نواب والا جاہ، ''تذکرۂ گلزار اعظم''، مطبع سرکاری، مدراس، ۱۲۷۲ھ ص ۱۹۲۔ (۹) محمد یوسف کوکن افضل العلماء، عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک Arabic and Persian in Karnatic) 1710-1960، مطبوعہ امیر اینڈ کو، مدراس ۱۹۷۴ء ص ۱۴۴۔ (۱۰) افضل الدین اقبال ڈاکٹر، ''مضمون حاجی غلام محمود مہاجر حسرتؔ حضرت ذوقیؔ کی فارسی مثنوی کا اردو مترجم'' مشتملہ سالنامہ ''اللطیف'' دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور، مطبوعہ ۱۴۱۵ھ ص

۹۲۔(۱۱) محمد یوسف کوکن افضل العلماء ص ۷ ۱۴۔(۱۲) محمود مہاجر حاجی حسرتؔ، ''ریاض سیر'' مطبوعہ مطبع شرفیہ مدراس ۱۲۷۰ھ ص ۴۳۶۔(۱۳) افضل الدین اقبال ڈاکٹر' سالنامہ اللطیف ص ۹۲۔(۱۴) محمد یوسف کوکن افضل العلماء ''عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک' ص ۷ ۱۴۔(۱۵) افضل الدین اقبال ڈاکٹر' سالنامہ اللطیف ص ۹۳۔(۱۶) ''ریاض سیر'' ص ۲۰۔(۱۷) ایضاً ص ۲۳۔(۱۸) ایضاً ص ۳۲۔(۱۹) ایضاً ص ۳۳۔(۲۰) عزیز جنگ نواب بہادر، ''تاریخ النوائط'' مطبوعہ عزیز المطابع ۱۳۲۲ھ ص ۴۰۳۔(۲۱) ایضاً ص ۲۱۵۔(۲۲) ''خانقاہ ویلور کے علمی آثار'' ص ۲۴۳۔(۲۳) ''ریاض سیر'' ص ۲۔(۲۴) ایضاً ص ۸۔۹۔۱۰۔۱۱۔(۲۵) ایضاً ص ۱۱۔(۲۶) ایضاً ص ۱۶۔۱۸۔(۲۷) ایضاً ص ۲۶۔۲۷۔(۲۸) ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار'' ص ۱۸۰۔۱۸۱۔(۲۹) ''ریاض سیر'' ص ۲۹۔(۳۰) ایضاً ص ۳۶۔۳۷۔(۳۱) ایضاً ص ۴۳۲۔(۳۲) ایضاً ص ۴۳۳۔(۳۳) ایضاً ص ۴۳۴۔۴۳۵۔(۳۴) ''ریاض سیر'' پر مضمون قلم بلند کرتے ہوئے جن اشعار کا حوالہ مطبوعہ کتاب سے دیا گیا ہے، اس میں رسم الخط دوسو سالہ قدیم نہج پر تھا، راقم نے بعض مقامات پر اس کی تسہیل کر دی ہے مثلاً اوس اور ایس کی بجائے اُس اور اِس کی تبدیلی قارئین و ناظرین کی سہولت کے لیے کی گئی ہے۔ دراصل اردو کے قدیم رسم الخط میں اعراب بالحروف کی عادت تھی، موجودہ دور میں اعراب بالحرکت کو اپنایا گیا ہے جس سے نظم کی قرأت میں تکلف کا شائبہ نہیں رہتا اور ساتھ ہی سلاست وروانی بھی آجاتی ہے۔

علامہ شبلی کی سوانح نگاری کا مطالعہ، نئے تناظر میں

جناب محمد بدیع الزماں

علامہ شبلی کثیر الجہات اور انسائیکلوپیڈیائی شخصیت کے مالک ہیں، ان کی ہمہ گیر طبیعت نے متنوع موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا، ان کے افکار و احساسات اور ان کی دانش و بینش جہاں تازہ کی رہنمائی کرتی ہے، شبلی کی شخصیت میں زود حسی اور اثر پذیری بھی ہے، ان کی ابتدائی زندگی میں وہابی حنفی نزاع سے دلچسپی کا رنگ گہرا نظر آتا ہے، اس دور کی یادگار تحریروں میں ''اسکات المعتدی'' نامی رسالہ ہے، تاہم شدید حساسیت کے باوجود انہوں نے اعتدال و توازن کو کبھی بھی اپنے سے دور نہ ہونے دیا، پروفیسر عبدالحق کا تبصرہ قابل توجہ ہے:

> ''شبلی کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ ان کی دانش وری جن بصیرتوں کی حامل ہے، وہاں تک بڑے ذہن کی نہ رسائی ہوسکی اور نہ ہی ان میں وہ ادراک پیدا ہوسکا جو ماضی و حال کے مشاہدے سے مستقبل کو پہچان لیتا ہے، شعر و ادب کی فکری روایت میں امروز و دوش کے جام جہاں نما میں فردا کی کیفیات کا ادراک شبلی و اقبال سے زیادہ کسی کو نہیں ہے، شبلی کا فکر و احساس ایک اعتدال اور توازن رکھتا ہے، وہ زود حس ہیں اور جذباتی بھی، مگر یہ عناصر ان کی فکر و نظر پر غالب نہیں ہیں، وہ منطقی بھی ہیں اور کلامی بھی جن میں توازن اور تعدیل شرط اول ہے، ان افکار کو اس پس منظر میں دیکھنے اور شبلی کو دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت ہے''۔(۱)

شبلی کو اہل علم و ہنر اور اصحاب ذوق و نظر ایک مفکر، ایک نامور مذہبی عالم، اردو اور فارسی کے

ریسرچ اسکالر، رانچی جھارکھنڈ۔

بہترین شاعر، ایک سیاست داں، مجتہدانہ بصیرت کے مالک، ایک ماہر تعلیم، صحافی، ایک بلند پایہ مورخ و محقق، ممتاز سوانح نگار، اقلیم ادب و انشا کے بادشاہ اور عظیم نقاد بتاتے ہیں۔ پروفیسر عالم خوندمیری کا یہ خیال لائق ستائش ہے کہ:

"شبلی ہماری تہذیبی میراث کا ایک حصہ بن گئے ہیں، شبلی کے ایک وارث ابوالکلام آزاد ہیں اور دوسرے وارث علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد کی لافانی تفسیر قرآن پاک "ترجمان القرآن" شبلی کی منطق کا نتیجہ ہے، آزاد کے ذریعہ شبلی کی عقل پسندی کھلی انسانیت دوستی کا روپ اختیار کرلیتی ہے"۔(۲)

شبلی نے صرف انہی دونوں شخصیتوں کو متاثر نہیں کیا، ان کی تصنیفات نے کئی نسلوں کو متاثر کیا اور کرتی رہیں گی، کیونکہ شبلی کی ہر تصنیفی کاوش کسی علمی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور ہر تحریر ادب کا شاہکار بن جاتی ہے۔ اسی لیے وہ ذہنی، فکری اور علمی غذا پہنچاتی رہیں گی۔

سوانح حیات کسی شخص کی زندگی کے حالات بیان کردینے کا نام ہوسکتا ہے مگر وہ سوانحی ادب اسی وقت ہوگا جب فن کے تقاضوں مثلاً تاریخی صداقت، فنی جمالیات اور ادبی شان کو ملحوظ رکھا گیا ہو، اگر کسی کے کارناموں کی مکمل تفصیل اور تفصیلی واقعات جاننے کے بعد بھی پڑھنے والا گہرا اثر اور واضح تصور و تصویر اخذ نہیں کرتا، تو وہ سوانحی ادب نہیں سوانح عمری ہے، کبھی تاریخ اور سوانح عمری ایک ہی سمجھے جاتے ہوں گے، اب دونوں کے لطیف مزاج میں بہت فرق ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری میں سوانح نگاری کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"سوانح حیات بطور ایک ادبی صنف کے کسی شخص واحد کی زندگی کے وہ واقعات ہیں، جو اس نے خود قلم بند کیے ہوں، ان میں ان معاملات اور اشخاص کا ذکر ہوتا ہے جن سے وہ متعلق رہا ہو یا ان تحریکات کی روداد بیان کی جاتی ہے جن میں وہ شامل رہا ہو"۔(۳)

بایوگرافی کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ کسی شخص کے حالات زندگی بیان کردینے کا نام نہیں ہے، بلکہ ایسا آئینہ ہے جس میں صاحب سوانح کی شخصیت اپنی تمام بوقلمونیوں کے ساتھ اجاگر ہو، نہ اس کو عقیدت کے بانس پر چڑھا دیا گیا ہو اور نہ بحیثیت انسان اس کے عیوب کو

بھی محاسن میں بدل دیا گیا ہو۔

کارلائل کے قول کے مطابق ''ایسی سوانح عمریوں سے جو حقائق کو آئینہ نہ دکھا سکیں، بہتر ہے کہ لکھی ہی نہ جائیں''، لٹن اسٹریچی نے سوانح عمری کو ایسے جام بلور سے تشبیہ دی ہے، جس میں صاحب تذکرہ پورے قد سے کھڑا ہو۔(۴)

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنا خیال یوں ظاہر کیا ہے:

''بایوگرافی ان بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے، جنھوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں اور جو انسان کی آیندہ نسلوں کے لیے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ نمونے چھوڑ گئے۔ بایوگرافی علم اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سودمند ہے کیونکہ علم اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے، بایوگرافی سے اکثر نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بایوگرافی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر یہ آواز دیتی ہے کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کرو''۔(۵)

حالی کے یہ خیالات اصلاح معاشرہ کے تناظر میں درست ہو سکتے ہیں، لیکن جس شخص کی سوانح نگاری میں شخصیت کی واضح تصویر، تاریخی صداقت، جمالیاتی نکھار اور ادبی رچاؤ نہ پایا جاتا ہو، سوانحی ادب میں اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔

یہی وجہ ہے کہ حالی کی ''حیات جاوید'' جسے مولوی عبدالحق نے ''ہماری زبان میں یہ اعلیٰ اور مکمل نمونہ سوانح نگاری کا ہے'' کہا ہے، شبلی نے اسے کتاب المناقب اور مدلل مداحی سے تعبیر کیا ہے۔

دیکھا جائے تو اپنی اصل کے لحاظ سے سوانح نگاری تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے، مگر سوانح نگاری اور تاریخ میں قریبی مماثلت کے باوجود اول الذکر ایسا شجر نو بہار ہے جو تاریخ اور ادب دونوں سے مربوط ہے۔ سوانح نگاری ایک طرف کسی انسان کی پیدائش سے موت تک کے افکار و افعال کا مرقع ہوتا ہے، تو دوسری طرف اپنے عہد کے عروج و زوال اور ذہنی و نفسیاتی کیفیات کا آئینہ دار بھی۔ جسے پوری دیانت داری اور انتہائی غیر جانب داری سے قلم بند کیا جاتا ہے۔

تاریخ اور سوانح نگاری میں کئی وجوہ سے مماثلت کے باوجود دونوں کے فرق کو بھی نظر انداز

نہیں کیا جاسکتا۔ سوانح نگاری میں توجہ کا مرکز فرد ہوتا ہے، اسی فرد کے ضمن میں اس کی شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے، اس کے ماحول کا تذکرہ ہوتا ہے، اس کی شخصیت کے عناصر ترکیبی کا بیان ہوتا ہے اور اس کے نمایاں کارنامے کو چراغ دکھایا جاتا ہے، جبکہ تاریخ میں اقوام وملل مرکوز توجہ ہوتے ہیں، تاریخ میں جزئیات کا ہجوم کم ہوتا ہے، لیکن سوانح نگاری میں جزئیات کو قبول کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے۔ سوانح نگاری اپنے اندر جمالیاتی حس اور انسانی جذبات کے لیے ہمیشہ دامن کشادہ رکھتی ہے، جبکہ تاریخ جذبات کے ریلے کو، خیال آرائی اور استعاراتی اسلوب بیان کو سنوارنے کی طاقت نہیں پاتی۔ منظر اعظمی کہتے ہیں:

> ''ایک زمانے تک تاریخ اور سوانح ایک ہی سمجھے جاتے تھے مگر دونوں میں بین فرق ہے۔ تاریخ میں مختلف اشخاص کے کارناموں اور قوموں کے عروج وزوال کی داستان ہوتی ہے اور سوانح نگاری میں صرف ذات کی تاریخ ہوتی ہے۔ ایک سوانح تاریخی مواد کی حامل تو ہوسکتی ہے مگر تاریخ کسی شخص واحد کی سوانح حیات نہیں ہوسکتی''۔(۶)

حالی نے سوانح نگاری کا جو تصور پیش کیا ہے، علامہ شبلی نعمانی کا تصور ان سے کہیں زیادہ سائنٹفک اور اثباتی ہے۔ شبلی سیرت وسوانح نگاری میں صاحب سیرت کے ہر پہلو کو دکھانے پر اصرار کرتے ہیں، روشن بھی اور تاریک بھی، اپنے ایک خط میں انہوں نے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کو جو صحابہؓ پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ لکھا کہ:

> ''صحابہؓ کے حالات سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتی لیکن ہر پہلو کو لیجیے اور ان پہلوؤں کو صاف دکھلایئے، جن سے آج کل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہیں''۔(۷)

تاریخ علامہ شبلی کا بے حد پسندیدہ موضوع ہے بلکہ ان کو اس سے عقیدت ہے۔ پھر سوانح نگاری اور تاریخ میں گہرا تلازم ہے۔ شبلی کے نزدیک تاریخ تہذیب انسانی کی سرگزشت ہے، وہ تاریخ اور سوانح نگاری دونوں ہی کو فلسفہ اجتماع کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، شبلی کے سوانح نگارانہ فن کی حقیقت وعظمت تسلیم کی گئی ہے، بلکہ ان کی استادانہ مہارت کا اعتراف کیا گیا ہے، تاہم ان کی سوانح نگاری مقصود

اور مستقل بالذات نہ تھی، سچ ہے کہ انہوں نے سوانح نگاری کے اصولوں اور تاریخی صداقتوں کا بہت خیال رکھا، وہ درایت کے بغیر کسی روایت کو لینے کے قائل نہ تھے، پھر ان کا تنقیدی زاویۂ نظر ان کا ساتھ کبھی نہ چھوڑتا تھا۔ دیانت اور غیر جانب داری میں وہ بہت ممتاز تھے۔ وہ موضوعیت پر عقیدت کو ترجیح دینے کے روادار تھے ہی نہیں، شبلی اپنے نقطۂ نظر میں بہت عقلیت پسند، حقیقت بیں اور متوازن واقع ہوئے تھے، البتہ ان کی تاریخ نگاری میں کبھی کبھی خیال آرائی در آتی ہے، جو مبالغہ آرائی تک لے جاتی ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف شروع کی سطروں میں اشارہ کیا گیا تھا کہ شبلی طبعاً نغمہ و لَے کے آدمی تھے، ان کے اندر زود حسی بہت تھی، ان کی تحریروں میں شعریت اور نغمگی آہی جاتی تھی، شبلی بڑے نقاد ہیں مگر اپنے شاعرانہ مزاج کی وجہ سے عقلی اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے بھی جب عملی تجزیہ کرتے ہیں تو تنقیدی عمل پر جمالیاتی اور تاثراتی رنگ گہرا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام لکھتے ہیں:

> ''وہ انشا پرداز تھے اگر وہ انشا پرداز نہ ہوتے تو مصور ہوتے''۔(۸)

اور بقول مولانا سعید اکبر آبادی:

> ''مولانا شبلی نعمانی جو اپنے وقت بلکہ کہنا چاہیے کہ اردو ادب کے عہد کے سب سے بڑے سیرت نگار و سوانح نویس تھے، جو اسلامی تاریخ کو سوانح اور سیرت کی عینک سے دیکھتے تھے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں ابطال کے عطایا اور کارناموں کا تجزیہ منصوبہ بندی کے ساتھ پیش کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کی بیشتر تصانیف سوانح عمری کے فن کے ذیل میں آجاتی ہیں''۔(۹)

علامہ شبلی نے ۱۸۵۷ء کے بعد اپنی قوم اور عالم اسلام کی خستہ حالی اور پراگندہ فکری کو دیکھا تو خون کے آنسو روئے۔ وہ ایک حساس اور غیور مرد مجاہد تھے، وہ اسلام کا احیاء اور اس کی نشأۃ ثانیہ چاہتے تھے، اس عظیم مقصد کے لیے وہ تاریخ اسلام کی باوقار انقلابی اور مثالی شخصیتوں کو پیش کر کے امت مسلمہ کے نوجوانوں کے ضمیر کو بیدار کرنا، عقیدہ کو درست سمت دینا، اجتماعی شعور کو اسلامی نہج دکھلانا اور ملت کے دکھوں کا مداوا کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے انہوں نے ''الفاروق، المامون، سیرۃ النعمان، الغزالی'' کا انتخاب کیا، مقصد سوانح نگاری کب تھی؟ وہ تو عظماء و ابطال کی سوانح کو تاریخ اسلامی کی عینک سے دیکھتے تھے، اس لیے ''ہیروز آف اسلام'' کے طرز پر انہوں نے چند مثالی شخصیتوں کا نقشہ کھینچ کر امت

کے نوجوانوں کے سامنے رکھ دیا۔ نقش نگاری اور مصوری انہوں نے کچھ اس انداز سے کی کہ سوانح نگاری کے اصول وضوابط اور فن کے سارے تقاضے ملحوظ تو رہے ہی مگر ان کی نقش نگاری، تاریخیت اور سوانحی ادب کے حسین امتزاج سے دوآتشہ ہو کر فن پارہ بن گئی۔

اس حقیقت کا اعتراف کیا جانا چاہیے کہ سیرۃ النعمان، الغزالی، سوانح مولانا روم میں امام اعظمؒ کی سیرت وسوانح، امام غزالی اور مولانا روم کے حالات زندگی سے زیادہ ان علوم وفنون کی تاریخیں آ گئی ہیں، جن کے یہ اکابر علماء بجا طور پر نمایندے تھے، مگر اس کا یہ مطلب نہ لیا جانا چاہیے کہ یہ کتابیں مجرد تاریخی دستاویز ہیں، بلکہ یہ تاریخی صداقت کی کشت زار میں سوانح نگاری کی پھلواریاں ہیں۔

شبلی نے جن نابغۂ روزگار ہستیوں کو آئیڈیل اور بیماروں کا مسیحا بنا کر پیش کیا۔ اس میں وہ کارلائل کے نظریہ کے حامی نظر آتے ہیں کہ ''تاریخ غیر معمولی شخصیتوں اور ناموروں کے غیر مختتم سلسلہ کا نام ہے''۔(۱۰)

سوانح نگاری میں تصویر کے دونوں رخ دکھانے کی جو بات علامہ شبلی نے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سے کہی تھی، اس میں ان جیسا نقاد اور عقلیت پسند دانشور نہ صرف کھرا اترا ہے، بلکہ اس معاملہ میں روایت ودرایت کے درمیان اعتدال وتوازن کے ساتھ احترام بھی ملحوظ رکھا ہے۔ تنقید کا قلم کہیں نشتر نہیں بنتا، ''مناقب عمر بن عبدالعزیز'' نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہہ گئے:

> ''سوانح نویسی کے فرائض میں جو بڑا فرض مصنف سے رہ گیا وہ تنقید ہے، یعنی مصنف نے اپنے ہیرو کی صرف خوبیاں دکھائی ہیں، اس کے کسی قول وفعل پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کی، لیکن یہ اس زمانے کے تمام سوانح نگاروں کا انداز ہے''۔(۱۱)

سوانح نگاری میں شبلی نے غیر جانب داری اور معقول ومثبت تنقید کی طرح اس وقت ڈالی جب اس صنف ادب (سوانح نگاری) کو مداحی اور مناقب کے بیان کے لیے خاص سمجھا جاتا تھا۔ المامون مصنف کا محبوب ہیرو ہے، ایک دفعہ امین نے مامون کا حال پوچھا، کہا گیا زندہ ہے۔ امین نے کہا خدا کم بختوں .... کا برا کرے خبر دی تھی کہ مر گیا۔ پھر مامون کی خدمت میں امین کا سر پیش کیا گیا تو بھائی کے خون آلود کٹے ہوئے سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور جوش مسرت سے سجدہ شکر ادا کیا۔ شبلی نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ہیرو کے بارے میں یوں اظہار خیال فرمایا:

''امین کی عظمت کے سامنے مامون نہایت کم ظرف نظر آتا ہے''۔(۱۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''جس چیز نے اس (مامون) کی ساری خوبیاں غارت کردی وہ یہی مذہبی جنون تھا''۔(۱۳)

الفاروق میں حضرت عمرؓ کا حضرت فاطمہؓ کے گھر کو آگ لگا دینے کی دھمکی کے الزام کی شبلی نے صفائی یا تاویل پیش نہیں کہ بلکہ کہا ''درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کوئی بعید نہیں ہے''۔(۱۴)

ڈاکٹر سید عبداللہ علامہ شبلی کی سوانح نگاری پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''فن سوانح نگاری میں ہمارے دوسرے ممتاز مصنف شبلی ہیں، جو سوانح نگار ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ مورخ بھی ہیں، ان کی نثر حالی کے مقابلہ میں زیادہ متنوع ہے اور سوانح نگاری میں ان کا رنگ حالی کے رنگ سے جدا ہے''۔(۱۵)

علامہ شبلی ابھی ۳۵ برس کے تھے کہ ۱۸۹۴ء میں حکومت ہند نے انہیں ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا، اس مناسبت سے علی گڑھ کالج میں ایک بڑا جلسہ ہوا، جس کی صدارت نواب محسن الملک نے کی۔ اس موقع پر کی گئی صدارتی تقریر کا ایک چھوٹا سا اقتباس ملاحظہ ہو:

''شبلی نے فلسفیانہ طرز پر سوانح عمری لکھنے کا طریقہ جاری کیا، تاریخی واقعات کی تحقیق کرنے، واقعات پر محققانہ رائے دینے، نتائج کے اسباب بیان کرنے اور اخبار و روایات کے صدق و کذب کو دریافت کرنے کا راستہ بنایا، انہوں نے ہمارے مردہ لٹریچر بلکہ ہمارے مردہ خیالات میں ایک نئی جان ڈالی ہے''۔(۱۶)

مہدی افادی جو شبلی کو ''خوش اوصاف شبلی'' کہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ''شبلی ملک میں پہلے شخص ہیں جن کو تاریخ اور فلسفہ میں ربط باہمی کا خیال پیدا ہوا اور وہ ان جواہرات عقل کی تحلیل و ترکیب کیمیائی اس طرح کر سکے، جس سے لٹریچر میں ایک خاص امتزاج پیدا ہو گیا ہے''۔(۱۷)

شبلی نے تاریخ اور سوانح نگاری میں تنقیدی زاویے کی حمایت کی، درایت اور جرح و تعدیل کے اصول کا احیاء کیا، جہاں مسلمانوں اور مستشرقین کی تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کے عیوب واضح

کیے، وہیں یورپ کی علمی فیاضیوں اور ان کے علمی اصولوں کی مداحی بھی کی۔

یہی طریقہ کار نئی نسل کو اپیل کرتا ہے، شبلی کی عظمت کا احساس پہلے سے زیادہ عام ہونے لگا ہے، آج کی نئی پود شبلی کو خود ان کی علمی، ادبی، دینی، تاریخی، تنقیدی اور شعری کاوشوں کو ان ہی کی تخلیقی فعالیت کی روشنی میں سمجھنا چاہ رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ شبلی کی علمیت، روشن ضمیری، وسعت فکر ونظر، ان کی عقل پسندی اور دانش وری کا اعتراف عام ہونے لگا ہے۔

میرا خیال ہے کہ شبلی کی تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا مطالعہ گہری دلچسپی کے ساتھ پہلے سے زیادہ ''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو'' کے تناظر میں کیا جائے گا یا کیا جانا چاہیے، خود ان کے تنقیدی اصول جو عہد تداخل (۱۸۵۷ء کے بعد مشرقیت اور مغربیت کا ٹکراؤ بلکہ آخر الذکر کی اول الذکر پر بالادستی) کی دین ہے، اب بہتر طریقے سے سمجھے جائیں گے۔

نئے تناظر میں شبلی کی اہمیت اس لیے بڑھتی جائے گی کہ ان کی تحریروں میں بلا کا اعتماد علی النفس اور وثوق پایا جاتا ہے، ان کی نثری خصوصیات میں سادگی، بے تکلفی، استدلال، منطقیت اور استعاراتی پہلو بے حد نمایاں ہے، آج قلب ودماغ کے دریچوں میں نئے رجحانات کی جو کرنیں پھوٹ رہی ہیں، شبلی کی سوانح نگاری انہیں تابکار کرسکتی ہے۔

اور مہدی افادی کا اصرار کہ ''مجھ کو اصرار ہے کہ شبلی کی تحقیقات سے جو ان کی اولیات میں داخل ہونے کے لائق ہے ہندوستان کی علمی قلم رو میں ایک نیا تاریخی دور شروع ہوگا''۔(۱۸)

حواشی

(۱) شبلی کی علمی وادبی خدمات، ص ۱۴۳۔ (۲) یادگار شبلی از شیخ محمد اکرام، لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۱۳۔ (۳) آکسفورڈ ڈکشنری۔ (۴) کاروان ادب اسلامی، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۴۵۔ (۵) دیباچۂ حیات سعدی (۱۹۲۷ء)، ص ۳۔۴۔ (۶) کاروان ادب اسلامی، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۵۰۔ (۷) شبلی نامہ از شیخ محمد اکرام، ص ۵۔ (۸) شبلی کی علمی وادبی خدمات، ص ۲۴۶۔ (۹) مطالعہ سلیمانی، ص ۹۳۔ (۱۰) حیات شبلی، ص ۷۷۳۔ (۱۱) مقالات شبلی، ج ۴، ص ۵۔ (۱۲) المامون، ص ۴۵ و ۳۷۔ (۱۳) ایضاً، ص ۲۴۔ (۱۴) الفاروق، ص ۴۲۔ (۱۵) سرسید اور ان کے نامور رفقاء، ص ۱۵۵۔ (۱۶) شبلی کی علمی وادبی خدمات، ص ۲۴۵۔ (۱۷) افادات مہدی، ص ۱۸۴۔ (۱۸) ایضاً۔

اخبار علمیہ

''انسانی خدا۔مستقبل کی ایک مختصر تاریخ''

"Homo Deus, A Brief History of Tomorrow" کے نام سے اسرائیلی ماہر تاریخ وسماجیات یووال نوح ہراری نے ایک کتاب لکھی ہے۔اس کا اردو ترجمہ ''انسانی خدا۔مستقبل کی ایک مختصر تاریخ'' ہے۔اب تک لاکھوں کی تعداد میں یہ فروخت ہوچکی ہے۔اس کی وجہ انسانوں کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں پیش کیے گئے غیر معمولی اور غیر روایتی تصورات ہیں۔مزے کی بات یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو بالکل ہمارے سامنے کی بات ہے۔ہمارا خیال اس طرف کیوں نہیں گیا۔اس سے قبل ۲۰۱۱ء میں اسی مصنف کی ایک کتاب ''انسانوں کی مختصر تاریخ'' آچکی ہے، جسے اس دوسری کتاب کا مقدمہ کہا جاسکتا ہے۔یہ کتاب مستقبل کی ممکنہ تاریخ کے موضوع پر پیشین گوئی کرتی نظر آتی ہے۔اس کا آغاز اس سوال سے ہوتا ہے کہ اصل میں انسان کے مستقبل کا ایجنڈا کیا ہے؟ مصنف کے بیان کے مطابق صدیوں سے تین بڑے مسائل قحط، وبا اور جنگ، دوسرے لفظوں میں بھوک، بیماری اور آپس میں جنگ وجدال انسان کے ایجنڈے میں سرفہرست رہے ہیں۔یہ تینوں آفتیں ہمیشہ سے انسانوں کا خاتمہ کرتی رہی ہیں لیکن تیسرے ہزاریے کے آغاز تک انسان ان تینوں آفتوں پر قابو پانے میں کامیاب ہوا ہے اور اب وہ بقائے دوام کے ایجنڈے پر گامزن ہوچکا ہے۔مثال کے طور پر تاریخ میں پہلی دفعہ ہوا ہے کہ اب لوگ جنگوں، انسانی حملوں، قحط اور وبا، بھوک کے بجائے خودکشی اور بسیار خوری سے مرتے ہیں۔مصنف کا کہنا ہے کہ اب جبکہ بڑی حد تک ان مسائل پر قابو پالیا گیا ہے تو انسان اپنی نظریں اٹھا کر نئے افق کی تلاش کرسکتا ہے۔اکیسویں صدی میں اس کی اگلی منزل کیا ہوگی؟ اس کے سامنے بڑا سوال ہے۔ایک ایسی دنیا میں جہاں صحت، خوشحالی اور امن کی منزل حاصل کی جاچکی ہے تو کیا چیز ہے جو ہماری توجہ اور ذہانتوں کا امتحان لے گی؟ بایو اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے میدانوں میں ہونے والی پیش رفت کے تناظر میں یہ سوال اور بھی اہم اور فوری جواب طلب ہے کہ ہم نے جو طاقت حاصل کرلی ہے اس کا کیا کریں گے؟ مصنف کے یہ دعوے بظاہر اٹپٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کتاب میں مصنف نے اپنے ہر دعویٰ کی دلیل دی ہے۔اس کے بیان کے مطابق اس کے

لیے ہمیں اکیسویں صدی کی دنیا پر گہری نظر ڈالنی ہوگی۔(یہ معلومات منصف، حیدرآباد میں رشاد بخاری کے اس کتاب کے متعلق شائع مضمون سے ماخوذ ہیں۔۵/اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص ۸)

''کہکشاؤں کا سب سے بڑا جھرمٹ دریافت''

بین الاقوامی ماہرین فلکیات کی ایک ٹیم نے انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے قدیم کائنات میں ایک جگہ اب تک کے سب سے بڑے اجرام فلکی کے ابتدائی جھرمٹ کو دریافت کیا ہے۔اگرچہ اس طرح کے کسی جھرمٹ کو فلکیات کی زبان میں ''جھرمٹوں کا جھرمٹ'' کہا جاتا ہے لیکن بگ بینگ کے بعد کائنات کی پیدائش کے دوارب تیس کروڑ سال بعد بننے والے اس جھرمٹ کو پروٹوکلسٹر کہا جائے تو درست ہوگا۔ماہرین کے مطابق اس دریافت سے ابتدائی کائنات میں ستاروں، کہکشاؤں اور سیاروں کے ارتقا کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ماہرین نے پرانے ڈیٹا اور جدید مشاہدوں کی بدولت اس کو دریافت کیا ہے۔ڈیٹا کا اہم حصہ ''یوروپی سدرن آبزرویٹری'' کے بہت بڑے ٹیلی اسکوپ پر نصب ایک خاص آلہ سے حاصل کیا گیا ہے، جسے وزیبل ملٹی آبجکٹ اسپیکٹروگراف کا نام دیا گیا ہے۔یہ رصدگاہ چلی میں واقع ہے۔یہ آلہ کہکشاؤں کی روشنی کو اسپیکٹرم میں دکھاتا ہے اور ہر شئی کو روشنی کے ایک فنگر پرنٹ کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔اسے دیکھ کر ماہرین، اجرام کی ساخت، کیفیت اور دیگر تفصیلات معلوم کرتے ہیں۔واضح رہے کہ سپر کلسٹر کا یہ منظر آج سے تقریباً ۱۱/ارب ۴۰ کروڑ سال پہلے کا ہے۔یعنی آج اس کا کوئی وجود نہیں۔البتہ ہم اس کی وہ روشنی ہی دیکھ پارہے ہیں جو لگ بھگ ساڑھے گیارہ ارب سال پہلے وہاں سے چلی تھی۔(انقلاب، وارانسی، ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص ۱۳)

''آواز کی ہدایت سے ریڈیو سننے کے لیے ''الیکسا'' کی ایجاد''

ایک خبر کے مطابق آل انڈیا ریڈیو نے امیزون کمپنی سے الیکسا نامی ایک ایسا آلہ تیار کرنے کا معاہدہ کیا ہے، جس کے تحت آواز کے ذریعہ ہدایت دے کر ریڈیو اسٹیشن پر ۱۴ زبانوں میں مفت پروگرام سنا جاسکتا ہے۔اطلاعات ونشریات کے وزیر مملکت نے آکاش وانی بھون، نئی دہلی میں پرسار بھارتی کے چیرمین، چیف ایگزیکیٹیو افسر، دوردرشن کی ڈائریکٹر اور آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل شہریار کی

موجودگی میں اس آلہ کا اجرا کیا۔ وزیر نے کہا کہ جن چیزوں میں پہلے زیادہ وقت لگتا تھا اب آلات کی ایجاد سے وقت کم لگتا ہے۔ امیزون نے جو آلہ تیار کیا ہے اس سے ریڈیو کی سترہ سرویسز ۱۴ زبانوں میں سنی جاسکتی ہیں۔ لوگ آلہ کو کمانڈ دے کر اپنی زبان میں اپنی پسند کے مطابق پروگرام سن سکتے ہیں۔ انھوں نے برسرِ مجلس الیکسا کو ہندی اور پنجابی میں گانے سنانے کی ہدایت دی تو وہ پنجابی اور ہندی گانے سنانے لگا۔ اسی طرح بنگلہ زبان میں سنانے کے لیے کہا تو بنگلہ میں سنانے لگا۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ آل انڈیا ریڈیو کی نئی حصولیابی ہے۔ لوگ کہیں بھی رہیں آواز دے کر ریڈیو سن سکیں گے۔ ڈائریکٹر جنرل شہریار نے کہا کہ یہ ڈیجیٹل انڈیا کی طرف ایک اور قدم ہے۔ پوری دنیا میں کہیں سے بھی ملیالم، تیلگو، بنگلہ جیسی تقریباً ۱۴ زبانوں میں ریڈیو الیکسا سے سنا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ریڈیو سیٹ، انٹرنیٹ یا موبائل کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بازار میں اس کے ۲ ماڈل ساڑھے چار اور ساڑھے دس ہزار میں دستیاب ہیں۔ (راشٹریہ سہارا، لکھنؤ، ۲۹ ستمبر ۲۰۱۸ء، ص ۱)

"دماغ کی نشوونما پر سائنسی تحقیق"

لڑکیوں کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ کم عمری میں ہی سمجھ داری اور ذہنی پختگی کا مظاہرہ کرنے لگتی ہیں۔ اس کے اسباب اب تک واضح نہیں تھے۔ ماہرین نے اس بات کا سائنسی ثبوت فراہم کیا ہے کہ لڑکیوں کا دماغ لڑکے کے مقابلہ میں دس برس قبل ہی پختہ ہوجاتا ہے۔ نیوکاسل یونیورسٹی میں کی جانے والی اس تحقیق سے وابستہ بین الاقوامی محققین نے ۴ سے ۴۰ برس تک کی عمروں کے ۱۲۱ رضا کاروں کے دماغ کی ایم آر آئی اسکیننگ حاصل کی تو معلوم ہوا کہ دماغی نشوونما یا تنظیم نو کا پورا عمل لڑکیوں میں ۱۰ اور لڑکوں میں ۱۵ سے ۲۰ برس میں شروع ہوا۔ تحقیق سے وابستہ ڈاکٹر مارکس کائزر نے کہا کہ ایک اتفاقیہ حادثہ کے طور پر ہمیں پتہ چلا کہ لڑکیوں اور لڑکوں میں دماغی نشوونما کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ تحقیق انسانی دماغ کی نشوونما کے حوالہ سے کی جارہی تھی جس کا مقصد یہ جاننا تھا کہ دماغ کس طرح معلومات کے خزانہ کو محفوظ کرتا ہے۔ (اخبار مشرق، نئی دہلی، ۵ ستمبر ۲۰۱۸ء، ص ۶)

ک، ص اصلاحی

وفیات

پروفیسر فواد سزکین

اشتیاق احمد ظلی

(۳)

۲۔عیون التراث: ایک مصنف اور محقق کی حیثیت سے پروفیسر فواد سزکین کی عظمت کی اساس تاریخ التراث العربی کے بے مثال علمی کارنامے پر قائم ہے۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم و تحقیق کی دنیا میں یہ ان کا تنہا کارنامہ نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس میدان میں کئی اور بھی نہایت مہتم بالشان کارنامے انجام دیے ہیں۔ان میں سے کوئی ایک کام بھی کسی محقق کے نام کو شہرت دوام بخشنے کے لیے کافی ہے۔ان مختلف النوع اور نہایت اہم علمی خدمات میں یہاں سب سے پہلے اس سلسلہ کا ذکر کیا جائے گا جسے عیون التراث کا نام دیا گیا۔اس عنوان کے تحت منتخب کتابوں کو معہد العلوم العربیہ والاسلامیہ،فرینکفرٹ یونیورسٹی، جرمنی نے شائع کیا۔اس معہد کی تاسیس اور تعمیر پروفیسر سزکین کا ایک نہایت اہم کارنامہ ہے۔اس کے متعلق کسی قدر تفصیلات انشاءاللہ آیندہ پیش کی جائیں گی۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ کی کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے۔۱۹۹۹ء میں معہد نے ایک ضخیم کتاب شائع کی تھی جس میں ان کتابوں کی تفصیل فراہم کی گئی تھی جو ۱۹۸۴ء میں اس کی تاسیس سے ۱۹۹۹ء تک وہاں سے شائع کی گئی تھیں۔بعد میں وہیں سے ایک اور کتاب شائع کی گئی جس میں ۱۹۹۹ء کے بعد شائع ہونے والی کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں تھیں۔ یہ دونوں کتابیں جرمن زبان میں ہیں اور یہاں دستیاب بھی نہیں ہیں۔اگر یہ کتابیں دسترس میں ہوتیں تو معہد کی مطبوعات کی صحیح صورت حال معلوم کی جاسکتی تھی اور پروفیسر سزکین کے علمی اور تحقیقی کاموں کے واقعی ابعاد و جہات اور قدر و قیمت کا تعین کرنا آسان ہوجاتا۔چنانچہ اس سلسلہ میں یہاں جو تفصیلات پیش کی جارہی ہیں وہ معہد کی ویب سائٹ اور بعض دوسرے ذرائع سے حاصل ہوئی ہیں۔خوش قسمتی سے جغرافیا اور سفرناموں سے متعلق معہد کی مطبوعات مولانا آزاد لائبریری میں موجود ہیں اور ہم کو انہیں

دیکھنے اور ان کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کرنے کا موقع ملا۔

مسلمان علماء اور محققین نے علم وفن اور سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں جو عظیم الشان اور گراں قدر ورثہ یادگار چھوڑا ہے اس کا بڑا حصہ حوادث لیل ونہار کی نذر ہو گیا۔ اس کا جو حصہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گیا وہ دنیا بھر میں بکھرا ہوا ہے۔ ان میں بہت سے نادر اور نہایت قیمتی مخطوطات ایسے ہیں جن کی حفاظت کا کوئی بہت پختہ انتظام نہیں ہے۔ ان میں سے بہت سے مخطوطات تک اہل علم کی رسائی آسان نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ماضی قریب میں مخطوطات کی ایک قابل لحاظ تعداد تدوین و تحقیق کے بعد شائع کی جا چکی ہے۔ لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اس علمی خزانہ کا بڑا حصہ ابھی تک دن کی روشنی نہیں دیکھ سکا ہے۔ اس گراں بہا علمی سرمایہ کی حفاظت اور اس سے بھی زیادہ علمی دنیا کو ان سے روشناس کرانے اور ان سے استفادہ کو ممکن بنانے کی ناگزیر ضرورت کا احساس پروفیسر سزگین سے زیادہ کس کو ہوسکتا تھا جن کی پوری زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گذری تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بنیادی کام کے ساتھ ساتھ متنوع موضوعات سے متعلق اہم اور نادر مخطوطات کے عکسی ایڈیشن (facsimile edition) شائع کرنے کا ایک بڑا منصوبہ بنایا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ بیش قیمت کتابیں محفوظ ہو جائیں اور کم از کم اہم لائبریریوں اور اخص الخواص تک پہنچ جائیں۔ اس طرح علمی دنیا کے لیے ان سے استفادہ کی راہ باز ہو جائے۔ ان کتابوں کو بہت اہتمام سے شائع کیا جاتا تھا۔ ان کی اشاعت میں نہایت اعلیٰ درجہ کا کاغذ استعمال کیا جاتا تھا اور یہ بات یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی کہ اپنے رنگ وآہنگ میں وہ مخطوطات ہی کی طرح نظر آئیں۔ ان کتابوں کی جلد بندی میں بھی بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ ان کو اسی انداز میں بنایا جائے جیسا اس مخطوطہ کے عہد میں رواج تھا۔ اس وجہ سے ان گراں مایہ کتابوں کی قیمت بھی بہت زیادہ ہوتی تھی اور نہ صرف عام قارئین بلکہ عام لائبریروں کے لیے بھی ان کا خریدنا مشکل ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ ایڈیشن بہت کم تعداد میں شائع کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت پانچ سو اور کم سے کم پچاس ہوتی تھی۔ معہد کی ویب سائٹ پر فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق اس سلسلہ کے تحت ۱۶۹ کتابیں شائع کی گئیں۔ ان کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں جس قدر اہتمام کیا جاتا تھا اور ان پر جو اخراجات آتے تھے اس کو دیکھتے ہوئے یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ یہ تمام کتابیں پروفیسر سزگین کی زیر ادارت شائع ہوئیں۔

دستیاب فہرست میں صرف پانچ کتابیں ایسی مل سکی ہیں جن کو دوسرے اسکالرس نے ایڈٹ کیا ہے۔ ان میں ان کی بیگم ارسولا بھی شامل ہیں۔

اس سلسلہ کے تحت شائع ہونے والی چند کتابوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے تاکہ ان کی قدر و قیمت اور اہمیت کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکے۔ یہاں ان کے بارے میں کسی تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں چنانچہ مصنف کے نام، کتاب کے عنوان اور اوراق کی تعداد کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اگر محقق پروفیسر سزکین کے علاوہ کوئی اور ہے تو اس کا بھی ذکر کردیا گیا ہے۔ سنِ وفات ہر جگہ سنِ عیسوی میں ہے۔

ابن الہیثم (وفات ۱۰۴۱)، کتاب حل شکوک کتاب اقلیدس فی الاصول و شرح معانیہ، ص ۴۲۵۔

ثابت بن قرہ (وفات ۹۰۱)، ثلاث رسائل فی علم الھندسہ و علم الھیئۃ، ص ۱۳۱۔

قدامہ بن جعفر (وفات ۹۳۰) کتاب الخراج و صناعۃ الکتابۃ، ص ۴۵۸۔

ابوالفتح الاسکندری نصر بن عبدالرحمٰن (وفات ۱۱۶۶)، کتاب الامکنۃ و المیاہ و الجبال، ص ۲۵۲۔

سیدی علی ابن حسین کاتب رومی (وفات ۱۵۶۲)، کتاب المحیط، ص ۲۹۲۔

ابو ریحان البیرونی (وفات ۱۰۴۸)، تحدید نھایات الاماکن لتصحیح مسافات المساکن، ص ۳۶۸۔

ابوعبیدہ القاسم بن سلاّم (وفات ۸۳۹)، الناسخ و المنسوخ فی القرآن، ص ۴۳۱۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنی (وفات ۸۲۲ یا ۸۲۸)، مجاز القرآن، اس کتاب کے دونوں مخطوطات کا عکس شائع کیا گیا ہے۔ مخطوطہ انقرہ کے صفحات ۱۸۰ ہیں جبکہ مخطوطہ استانبول کے صفحات ۴۰۲ ہیں۔

امام احمد بن حنبل، کتاب العلل فی معرفۃ الرجال، ص ۳۷۸۔

ابن فضل اللہ العمری (۱۳۴۹)، مسالک الابصار فی ممالک الامصار۔ یہ کتاب ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آخری تین جلدیں فہارس کے لیے مخصوص ہیں۔

الصفدی (وفات ۱۳۶۳)، تصحیح التصحیف و تحریر التحریف، ص ۴۸۲۔

ابوسعید السیرافی (وفات ۹۷۹)، کتاب اخبار النحوین البصریین، ص ۲۰۸۔

کتاب الشطرنج مما الفه العدلی و الصولی و غیرهما، ص ۳۰۲۔

ابن رشد (وفات ۱۱۹۸)، شرح کتاب ارسطو طالیس، ص ۲۴۴۔

محمد بن ایدمر (وفات ساتویں صدی ہجری)، الدر الفرید و بیت القصید، بخط مصنف، سات جلدیں، متن دو جلدیں فہارس، ص ۲۰۹۱۔

مہذب الدین جرباذ قانی (وفات چوتھی صدی ہجری)، کتاب الروحة، بخط مصنف، دو جلدیں، ص ۶۰۱۔

ابوبکر الدینوری (وفات دسویں صدی عیسوی)، کتاب المجالسة و جواهر العلم، ص ۵۵۴۔

الصاحب تاج الدین (وفات ۱۳۰۷)، کتاب البیطره، جلد اول ص ۳۸۰، جلد دوم، ص ۳۳۶۔

علی بن العباس المجوسی (وفات نویں صدی عیسوی)، کامل الصناعة الطبية، ۳ جلدیں، جلد اول ص ۵۳۲، جلد دوم ص ۴۳۹، جلد سوم ص ۴۲۴۔

اسحاق بن علی الرهاوی (وفات نویں صدی عیسوی)، ادب الطبیب، ص ۲۴۴۔

ابن سمجون (وفات دسویں صدی عیسوی)، جامع الادوية المفردة، ۴ جلدیں، ص ۳۴۴، ۳۴۸، ۲۹۶، ۳۱۶۔

الفارابی (وفات ۹۵۰)، کتاب الموسیقی الکبیر، ص ۴۸۲۔

رضوان بن الساعاتی (وفات ۱۲۳۱)، علم الساعات و العمل بها، ص ۱۳۳۔

ان کے علاوہ تیر اندازی، کھانے پکانے، بیطره، ادویہ، اغذیہ، معالجات، نباتات، علم نجوم، کاسمالوجی، عطریات، زراعت، مکینکس، اسلحہ وغیرہ وہ موضوعات ہیں جن سے متعلق کتابوں کے عکسی ایڈیشن شائع کیے گئے۔

۳۔ مطبوعہ مآخذ کی اشاعتِ نو: اس سلسلہ اشاعت کے تحت دو طرح کی کتابوں کی طباعت کا اہتمام کیا گیا۔ ایک تو ان بنیادی مآخذ کی اشاعتِ نو کا انتظام کیا گیا جو پہلے کبھی شائع ہوئے تھے۔ لیکن اب نایاب تھے اور النادر کالمعدوم کے درجہ میں آچکے تھے۔ ان میں وہ کتابیں بھی شامل تھیں جو مناسب

اور ضروری تدوین وتحقیق کے بعد شائع کی گئی تھیں اور وہ کتابیں بھی تھیں جن کو بغیر ترتیب وتدوین کے شائع کردیا گیا تھا۔ان سب کی فہرست بہت طویل ہے۔گذشتہ چند صدیوں میں مستشرقین اور دوسرے محققین نے اسلامی علوم کے مختلف موضوعات پر تحقیق وتصنیف کا بڑا وسیع ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔یہ ذخیرہ کتابوں کے علاوہ رسائل ومجلّات میں بکھرا ہوا تھا اور اس سے استفادہ سخت مشکل تھا۔عام قارئین کا تو ذکر کیا اسکالرس کے لیے بھی وہاں تک رسائی آسان نہیں تھی۔واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اسکالرس کو اس وسیع لٹریچر کی ثروت مندی کا شاید اندازہ بھی نہ رہا ہو۔کثرت مطالعہ اور تحقیق وتفتیش کے میدان میں غیر معمولی ریاضت کی وجہ سے پروفیسر سزکین کو اس بکھرے ہوئے غیر معمولی حد تک وسیع لٹریچر کا اندازہ بھی تھا اور علمی اور فکری حیثیت سے اس اہمیت کا ادراک بھی تھا۔اس سے استفادہ کی راہ میں جو گونا گوں مشکلات تھیں ان سے بھی وہ واقف تھے۔لیکن اس بکھرے ہوئے سرمایہ کو جمع کرنا اور مناسب ترتیب وتدوین کے بعد اس کی اشاعت بجائے خود ایک بہت مشکل کام تھا اور اس کے لیے افرادی اور مادی وسائل کے علاوہ ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ان کا اصل کام نہیں تھا۔اصل کام یعنی تاریخ التراث کے تقاضے اتنے سخت اور صبر آزما تھے کہ ان کی تکمیل بذات خود ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اپنے بنیادی کام کے علاوہ انہوں نے جو مختلف النوع اور نہایت اہم دوسرے علمی کام انجام دیے ہیں زیر نظر منصوبہ اس کا صرف ایک حصہ تھا۔واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر سزکین کے علمی اکتسابات کی وسعت اور سطح کو دیکھ کر آدمی حیرت زدہ ہی نہیں بلکہ دہشت زدہ رہ جاتا ہے۔اتنے مختلف اور متنوع موضوعات پر اتنا زیادہ اور ایسی قدر وقیمت کا کام ایک تنہا آدمی کے لیے کیوں کر ممکن ہوا۔وقت اور کام میں ایسی غیر معمولی برکت کا کوئی اور نمونہ دور حاضر میں ہمارے سامنے نہیں ہے، نہ مسلمانوں کے درمیان اور نہ کہیں اور۔

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے، اس سلسلہ کے تحت نایاب مطبوعہ مآخذ کی اشاعتِ نو کے علاوہ جو دوسرا کام کیا گیا وہ زیادہ دشوار اور زحمت طلب تھا۔اسلامی موضوعات پر مقالات اور مضامین کی کثیر تعداد جو مجلّات اور رسائل میں بکھری ہوئی تھی اور وقت کی گرد کے نیچے دب کر نظروں سے اوجھل ہوچکی تھی ان کو بڑی دیدہ ریزی اور تفحص سے جمع کیا گیا اور ان کو مختلف موضوعات اور عناوین کے تحت مرتب کرکے شائع کیا گیا۔اس کام میں کتنا وقت اور محنت صرف ہوئی ہوگی اس کا اندازہ

کرنا بھی مشکل ہے۔اس طرح جو کتابیں شائع ہوئیں ان کے بارے میں کسی قدر معلومات یہاں فراہم کی جارہی ہیں تا کہ اس عظیم الشان علمی اور تحقیقی منصوبہ کے حدود و ابعاد کا کچھ اندازہ کیا جاسکے۔ یہ تفصیلات فرینکفرٹ یونیورسٹی میں پروفیسر سزکین کے ذریعہ قائم کیے ہوئے ادارے معہد العلوم العربیہ والاسلامیہ کے ویب سائٹ سے ماخوذ ہیں۔اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ویب سائٹ پر صرف ان کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں جو فروخت کے لیے معہد کے اسٹاک میں دستیاب تھیں۔آؤٹ آف پرنٹ کتابیں ان میں شامل نہیں ہیں،اس سلسلہ کے تحت جن کتابوں کی اشاعت ہوئی ہے تقریباً ان سب پر بلا استثنا پروفیسر سزکین کا نام درج ہے۔البتہ مقالات اور مختصر کتابوں کے مجموعوں کی تیاری میں انہیں اپنے بعض رفقاء کا تعاون حاصل رہا اور ان پر معاون کی حیثیت سے ان کے نام بھی درج ہیں۔مقالات کے یہ مجموعے مختلف موضوعات سے بھی متعلق ہیں اور اہم جگہوں اور مقامات سے متعلق بھی مثلاً القدس اور بغداد وغیرہ۔یہاں پہلے مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد کے بارے میں ویب سائٹ سے حاصل کردہ معلومات پیش کی جارہی ہیں۔اس کے بعد قارئین کی دلچسپی کے لیے بعض کتابوں کے نام بھی پیش کیے جائیں گے۔

۱۔ اسلامی جغرافیا۔اس موضوع پر پروفیسر سزکین کی ادارت اور نگرانی میں ۳۱۸ جلدیں شائع کی گئیں۔

۲۔ سفرنامے۔اس سلسلہ کی ایک تحتی سرخی بھی قائم کی گئی ہے: عالم اسلام غیر ملکی سفرناموں میں۔(Islamic world in Foreign Travel Accounts)اس سلسلہ کے تحت ۷۹ جلدیں شائع کی گئیں۔

۳۔ اسلامی میتھمیٹکس اور فلکیات کے موضوع پر ۱۱۴ جلدیں شائع کی گئیں۔

۴۔ علم الادویہ اور دواسازی۔اس عنوان کے تحت ۱۰۰ جلدیں شائع کی گئیں۔

۵۔ فلسفہ کے موضوع پر ۱۲۰ جلدیں شائع کی گئیں۔

۶۔ اسلام میں موسیقی۔اس موضوع پر ۸ جلدیں شائع کی گئیں۔

۷۔ نیچرل سائنسز کے موضوع پر ۹۰ جلدیں شائع کی گئیں۔

۸۔ اسلامی مصکوکات۔اس موضوع کے تحت ۵۶ جلدیں شائع کی گئیں۔

۹۔ تاریخ اور فلسفہ۔اس عنوان کے تحت ۵۷ جلدیں شائع کی گئیں۔

افسوس کہ ویب سائٹ پر دوسرے موضوعات کے متعلق تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ معہد سے دوسرے موضوعات پر بھی کتابیں شائع کی گئی ہیں۔اس سے یہ اندازہ کرنا شاید نامناسب نہ ہو کہ وہ تمام کتابیں جو پروفیسر سزکین کی توجہ سے اوران کی نگرانی میں شائع ہوئیں اور جن کی تیاری اور اشاعت سے وہ ذاتی طور پر وابستہ رہے ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔اس پس منظر میں ان کے سوانح نگار کے اس قیاس کو بعید از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ان کتابوں کی مجموعی تعداد بارہ اور تیرہ سو کے درمیان ہے(۴۳)۔پورے طور پر صحیح تعداد کا تعین اس لیے ممکن نہیں ہے کہ ان کتابوں کی کوئی مکمل فہرست دستیاب نہیں ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔چونکہ سفرناموں اور جغرافیا سے متعلق معہد کی مطبوعات کو ذاتی طور پر دیکھنے کا موقع راقم سطور کو ملا ہے اس لیے فطری طور پر اس مختصر فہرست میں انہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

سفرناموں کے سلسلہ میں پہلی کتاب امیر تیمور کے دربار میں Clavipo کی قیادت میں ۱۴۰۳۔۱۴۰۶ کے درمیان جانے والی سفارت کے واقعات پر مشتمل سفرنامہ ہے۔مشہور مستشرق جی۔لی اسٹرینج نے اسے اسپینی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔یہ کتاب ۱۹۲۸ کے لندن ایڈیشن کی ریپرنٹ ہے۔اس پر پروفیسر سزکین کا مقدمہ ہے جس میں اس کتاب کے متعلق ضروری امور سے بحث کی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں ڈبلیو بارتھولڈ کی مشہور کتاب Turkistan Down to the Mongol Invasion بھی شامل ہے۔اس کے بھی ۱۹۲۸ کے ایڈیشن کی دوبارہ اشاعت کی گئی ہے۔اسے بھی پروفیسر سزکین نے ایڈٹ کیا ہے۔

اس سلسلہ میں مختصر سفرناموں کے کئی مجموعے بھی شائع کیے گئے ہیں۔مثال کے طور پر دیکھیے:

Mughal India According to European Travel Accounts: Texts and Studies

اس کتاب کے محتویات کے انتخاب اور ترتیب میں کئی دوسرے اسکالرس نے پروفیسر

سزکین کی مدد کی ہے۔ان میں مشہور مستشرق سرڈینی سن راس کا نام بھی شامل ہے۔

سفرناموں اور جغرافیا کے سلسلہ میں ہندوستان سے متعلق بھی متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ البتہ ان میں سے کئی کتابیں ایسی ہیں جن کے بارے میں یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ان کو اس سلسلہ کے تحت کیوں شائع کیا گیا۔مثال کے طور پر اس میں ایلیٹ اور ڈاؤسن کی مشہور زمانہ کتاب History of India as told by its own Historians بھی شامل ہے۔یہ معلوم ہے کہ یہ کتاب عہد وسطیٰ سے متعلق مآخذ کے انتخاب اور انگریزی ترجمہ پر مشتمل ہے۔یہ کتاب پہلی بار ۱۸۷۸ میں لندن سے شائع ہوئی تھی۔اس پر بھی ایڈیٹر کی حیثیت سے پروفیسر سزکین کا نام درج ہے۔

ہندوستان سے متعلق اور دوسرے مآخذ جو اس سلسلہ کے تحت شائع کیے گئے ہیں ان میں سے بعض کے نام نیچے دیے جاتے ہیں۔ان کے علاوہ قارئین کی دلچسپی کے لیے بعض اور کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

تزک جہاں گیری کا انگریزی ترجمہ،عبداللہ محمد بن عمر المکی الآصفی الغخانی کی ظفر الوالہ بمظفر وآلہ۔ یہ کتاب عربک ہسٹری آف گجرات کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔اسے مشہور مستشرق سرڈینی سن راس نے ایڈٹ کر کے ۱۹۱۰۔۱۹۲۸ کے درمیان شائع کیا تھا۔ابوالفضل کی آئین اکبری، رحلات ابن بطوطہ فرنچ ترجمہ کے ساتھ، رحلۃ سلیمان التاجر، رحلۃ ابن جبیر، یاقوت حموی کی معجم البلدان، عبداللطیف البغدادی کی کتاب الافادہ والاعتبار، ابن رستہ کی الاعلاق النفیسۃ، المسعودی کی کتاب التنبیہ والاشراف، بزرگ بن شہریار کی کتاب عجائب الہند۔

ان سب کتابوں کو پروفیسر سزکین نے ایڈٹ کیا ہے۔یہ واضح رہے کہ اس پس منظر میں ایڈٹ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کتاب پر مقدمہ اور جہاں ضرورت ہوئی وہاں مزید کچھ معلومات کا اضافہ پروفیسر سزکین کے قلم سے ہوا۔چونکہ یہ سب کتابیں ریپرنٹ ہیں،اس لیے ان کے متن کو ایڈٹ کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ (باقی)

حواشی

(۴۳)مکتشف الکنز المفقود،ص ۳۲۸۔

ادبیات

نعتیں

پروفیسر حیات عامر حسینی*

اے نگاہ مصطفیٰؐ اے جانِ جاں | یک نگاہ رحمتش بر عاصیاں
علم و آثار و ادب بے کار شد | در زماں احوال ماکار زیاں
سائلم بے کار و بیمارم ببین | چارہ کن اے چار ساز سائلاں
آمدم بر آستانش یا نبیؐ | پاس للّٰہ رحم کن بر ناتواں
یک نگاہش جاودانی می دہد | اے پناہ عاشقان و عارفاں

خدا داند مقام کبریائی | سر بطحی مقام مصطفائی
اگر عاشق شود آتش سراپا | اشارش فاش کردند بادشاہی
اگر خواہی کلیمی بازیابی | فدا شو بر سریر مصطفائی
اگر خواہی حصول اصل ہستی | جدا شو از فریب کجکلاہی

جناب وارث ریاضی**

تعالیٰ اللہ دل کی بے قراری کو قرار آیا | نبیؐ کے شہر میں اک بے نوا بھی باوقار آیا
زہے قسمت دیارِ سرورِ کونین میں پہنچا | فدائے سیدِ ابرار میں میرا شمار آیا
نظر آیا وہاں اک ”جلوۂ محبوبؐ سبحانی“ | جو دل میں نور برساتا ہوا، فردوس زار آیا
نبی کی مسجد اقدس کا ”منظر“ دیدہ و دل میں | شمیم افشاں، فروزاں، کیف افزا، خلد بار آیا
جو دیکھا گنبد خضرا تو فرطِ شادمانی میں | زباں پر ”نغمہ صلِ علیٰ“ بے اختیار آیا
ریاضِ جنت خیر الوریٰ میں جس گھڑی پہنچا | ”ترحم یا نبیؐ“ لب پر نہ جانے کتنی بار آیا
بقیعِ غرقدِ اطہر میں جب میں نے قدم رکھا | تو پھر محکم یقینِ عالمِ ناپائے دار آیا
احد کو دیکھتے ہی حضرت حمزہؓ کی یاد آئی | احد کا ماجرا دل میں مرے ماتم گسار آیا

---

* شعبۂ فلسفہ، اے ایم یو، علی گڑھ۔
** کاشانۂ ادب سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن بہار، ۸۴۵۴۵۳۔ (Mob8228902548)

یہ مجھ پر کس قدر خیر البشرؐ کی مہربانی ہے؟
کہ ان کی سرزمینِ پاک پر کچھ دن گزار آیا

وہ شاید لاج رکھ لیں اشکِ اظہارِ ندامت کی
کہ ان کے در پہ اک عاصی مجسم شرمسار آیا

مشامِ جاں معطر، چشمِ دل روشن ہوئی وارثؔ
زباں پر اس طرح ذکرِ شہہِ عالی تبار آیا

مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان جس میں تقریباً دس ہزار اصحاب النبیؐ آسودۂ لحد ہیں۔

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی*

ہم کہاں پر ہیں، کہاں نقشِ قدم آپؐ کے ہیں
کیسے پھر کیسے پھر سچ ہو یہ اعلان کہ ہم آپؐ کے ہیں

زندگی کے لیے انسان کی سب سے بہتر
ہیں نمونہ، تو بس اخلاق و شیم آپؐ کے ہیں

دوست ہی صرف نہیں، آپؐ کے احسان پذیر
دشمنِ جان بھی، مرہونِ کرم آپؐ کے ہیں

جن کے قدموں سے درخشاں ہے گزرگاہِ حیات
وہ سب اربابِ دل، اربابِ ہمم، آپؐ کے ہیں

جن کا ادراک بھی ہر شخص نہیں کرسکتا
وہ مقامات بھی سب زیرِ قدم آپؐ کے ہیں

شرط، توحید کے اقرار و یقیں کی ہے فقط
سب قبیلے، سبھی اقوام و امم آپؐ کے ہیں

سبھی اصحابؓ کی تعظیم ہے، ایماں کی دلیل
سبھی اصحابؓ میں اوصاف بہم آپؐ کے ہیں

نعتِ سرکار کا حق ہم سے ادا کیا ہو رئیسؔ
لوحِ محفوظ میں اوصاف رقم آپؐ کے ہیں

جناب عزمؔ سہریاوی**

ہم نے سنا ہے بعثتِ خیر البشر ہے آج
واللہ اہتمام بہ رنگِ دگر ہے آج

جشنِ بہار و جشنِ مسرت ادھر ہے آج
فرطِ نشاط و غم سے ہر اک بے خبر ہے آج

وقتِ طلوعِ صبح ندائے سحر ہوئی
جشنِ وصالِ صبحِ محبت ادھر ہے آج

یہ ہے عطائے خاص مشیت حضورؐ پر
مداح برگ و گل بھی ہیں ہر اک شجر ہے آج

کھلتے ہی آنکھ دیکھا بہاریں ہیں ہر طرف
رنگِ نشاط و غم یہاں باہم دگر ہے آج

روشن ہے نورِ حق سے ہر ایک تارِ ہم نفس
اب بے گماں بھی حد سے سوا ہر بشر ہے آج

جس سے ہوئی ہے وادیٔ بطحا میں روشنی
روشن اس آفتاب سے ہر رہ گزر ہے آج

اب رات ڈھل گئی ہے سماں بھی بدل گیا
لطفِ وصالِ نورِ سحر اس قدر ہے آج

نورِ رخِ حبیبؐ خدا کی تو بات کیا
ہر شے میں کائنات کی وہ جلوہ گر ہے آج

اب ہے فشارِ غم میں بہت عزمؔ زندگی
مطلوب محمدؐ کی اعانت ادھر ہے آج

---

* پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، علی گڑھ۔
** المرتضیٰ اپارٹمنٹ، اوکھلا، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵۔ (Mob: 7289806797)

مطبوعات جدیدہ

شبلی اور معاصرین: از پروفیسر عبدالحق، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۲۸، قیمت ۳۰۰؍ روپے، پتہ: ۲۳۱۵، ہڈسن لائن، کنگس وے کیمپ، دہلی ۱۱۰۰۰۹۔

علامہ شبلی کا عصر بھی کس غضب کا تھا کہ اس عصر کی قسم کھائی جاسکتی ہے، کیسے کیسے یگانہ روزگار، قدرت کی آیات بینات کی طرح ہندوستان اور اردو کو روشن کر گئے۔ سرسید، حالی، حسین آزاد، نذیر احمد، ابوالکلام اور اقبال۔ ایک سلسلہ زریں کی یہ چند کڑیاں ہیں جن کو فاضل مصنف نے علم و دانش اور محبت و عقیدت کی ایک لڑی میں پرو کر اس طرح پیش کیا کہ ایک نثری غزل تیار ہوگئی جس کا ردیف و قافیہ، ذات شبلی ٹھہری، اور شبلی کے مطالعہ میں جس میں عموماً قاری کے لیے علم و حکمت و دانش کے ساتھ لطف و انبساط کا سامان، فراواں رہتا ہے۔ ایک نہایت بیش قیمت اضافہ کا سبب بن گئی۔ سب جانتے ہیں کہ فاضل جلیل مصنف آستانۂ اقبال کے مرید باصفا ہیں لیکن شبلی ان کی نگاہ میں کیا ہیں اور کیوں ہیں، ان سوالوں کا جواب شبلیات کے ذخیرہ میں شاید ہی اسلوب حق میں کہیں اور مل سکے۔ ان کو کامل درجہ یقین ہے کہ علامہ کی جنبش نگاہ میں ان گنت حرف راز پنہاں ہیں، علم و عمل کی ہر محفل میں نور و سرور کا چراغاں ان کے دم سے ہے۔ فاضل مصنف اپنی یادداشت کے حوالہ سے بلکہ اس کو گواہ بنا کر یہ اعلان کرتے نظر آتے ہیں کہ مختصر مدت میں علم و ادب کے ذخیرے اور حیرت خیز ذخیرہ کی تخلیق کرنے والا شبلی کے سوا کوئی اور نہیں، وہ صرف شاعر، ادیب یا مصنف و مورخ ہی نہیں، ذکر و فکر میں مجتہد اور مجدد ہیں، یہ کلمۂ حق بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہماری دانشوری ان کے فکر و فہم کی مرہون نظر ہے۔ ادبی اعتقاد و ایمان پر اس کاملیت نے یہ احساس دلایا کہ شبلی کی کارگہی کے ممکنات کا محاسبہ نہیں کیا جاسکا، یہ بدتوفیقی تھی کہ ایسی بلند و بالا شخصیت کو تنقید کی کم نگہی کے حوالوں سے دیکھا گیا، حالانکہ شبلی ہمارے لیے ناگزیر ہیں تو یہ عین قول حق ہے اور اسی احساس نے ان کو علامہ شبلی کے رخ تابدار کو ان کے نامور معاصرین کے آئینۂ جمال میں دیکھنے کی فرصت بخشی اور حقیقت یہ ہے کہ شبلی اور ان کے معاصرین کے موضوع پر یہ تحریریں اپنے اسلوب ہی نہیں، مطالعہ و تجزیہ میں غور و فکر کی آمیزش سے ایسی کتاب میں ڈھل گئیں جس کے لیے لا ریب فیه سے استعارہ لیا جاسکتا ہے۔ پہلے چند مضامین صرف شبلی کی انتقادی فکر، شاعری، شذرات، تنقیدی اسلوب جیسے موضوعات کے لیے خاص ہیں، دانش گاہ شبلی کے عنوان سے شبلی کالج کے شبلی سمینار کی داستان پر لطف بیان میں ہے۔

سرسید اور شبلی کے ذکر میں حرف آخر یہی ہے کہ شبلی رفیق کار ہی نہیں سرسید کے ہمراز بھی تھے وہ آتش افرنگ سے نہیں دانش کدۂ سید سے مثل خلیل گل پوش ہوئے تھے۔اس جملہ کی معنویت قاری کو دیر تک حیرت و مسرت کی دنیا میں لیے پھرتی ہے۔منشی حسین آزاد کے بارے میں یہ جملہ بھی کیا خوب ہے کہ ان جیسی پراسرار اور پرآشوب شخصیت میرے مشاہدہ میں نہیں ہے۔سید احمد شہید کی تحریک کی نسبت مولانا آزاد کی اس نظر پر کم ہی نظر گئی کہ یہ اصلاح و اجتہاد نظر سے عبارت تحریک تھی، فاضل مصنف نے لکھا کہ اس تحریک کی معنویت پر مولانا آزاد کی سی موثر تحریر کہیں اور نظر نہیں آتی،اسی نظر کے متعلق یہ جملہ بھی بڑا دلچسپ ہے کہ یہ نظر افروز بصیرت تھی جو شرر سے شعلے تک رسائی پر قدرت رکھتی تھی۔البتہ کہیں کہیں عقیدت کا وفور کچھ عجب سا لگتا ہے،مثلاً یہ کہنا کہ مولانا (آزاد) کو پایان عمر تک قرآن کریم سے جو گرویدگی رہی ہے وہ کسی اور تنزیل و تخلیق یا تفکر کے حامل سے نہ ہوسکی،لیکن یہی جوش کہیں کہیں مزہ بھی دے جاتا ہے جیسے یہ کہ یہ آزاد کی خوش بختی تھی کہ شبلی کی موج نفس کے زیر سایہ آزاد کو نشوونمائے آرزو کا سنہرا موقع ملا۔ فکر اور اظہار فکر کی خوش سلیقگی ہی نہیں،بصیرت کی مسرت اور اس کی فراوانی اور حسین جملوں کی جلوہ سامانی ان سب کا مجموعہ یہ کتاب ہے۔کتاب ۲۰۱۴ء میں چھپی،تعارف میں تاخیر نہایت نامناسب تاہم نومبر، علامہ شبلی کا ماہ وفات ہے،اس نسبت سے اس کتاب کا ذکر آیا تو شبلی کی یاد کا ایک فریضہ بہرحال ادا ہوگیا۔

حیات عمران (جلد دوم): از پروفیسر محمد حسان خاں،نظر ثانی پروفیسر مسعودالرحمٰن خاں ندوی، متوسط تقطیع،عمدہ کاغذ و طباعت،مجلد،صفحات ۴۲۸، قیمت ۵۰۰/روپے، پتہ: مکتبہ دین و دانش، ۱۳۔مسجد شکور خاں روڈ،بھوپال،ایم،پی۔

مولانا محمد عمران خاں بھوپالی ندوی،بیسویں صدی کے ہندوستان کے ان چند علماء میں ہیں جن کے علم و عمل کی شمعیں،ان کی دور اندیشی،انجام بینی اور پیش بندی کے بام و در پر ہمیشہ روشن ہوتی رہیں،ندوہ اور تحریک ندوہ کے ادارے،تاج المساجد بھوپال اور اس کے دارالعلوم کی تاریخ ان کے کارناموں کی زندہ تحریر ہے،ہندوستانی مسلمانوں کو ان جیسے علماء کی ضرورت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔قریب بیس پچیس سال پہلے مولانا کے برادر زادہ اور خویش پروفیسر مسعودالرحمٰن ندوی نے مولانا مرحوم کے سوانح مرتب کیے اور پہلی جلد شائع بھی ہوگئی،لیکن دوسرے حصہ کا انتظار ہی رہا،شکر ہے کہ اب یہ دوسرا حصہ بھی چھپ گیا،جس میں زیادہ محنت مولانا کے صاحبزادے پروفیسر حسان صاحب کی ہے،مصنف حصہ اول کی نظر ثانی نے کتاب کو گویا اور معتبر بنا دیا ہے،زیر نظر کتاب میں زیادہ حصہ تبلیغ،تاج المساجد اور اس کے

دارالعلوم کی تاریخ پر محیط ہے، باقی بیماری، وفات، تعزیتی تاثرات، پس ماندگان اور سیرت کے کچھ جلوؤں کی داستان ہے۔ صحیح کہا گیا کہ مولانا کی زندگی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تعلق بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن ریاست بھوپال کے خاتمہ کے بعد تاج المساجد کی بازیافت بلکہ ریاست کے مسلمانوں کے اعتماد کی بحالی ان کا ایسا کارنامہ ہے جس سے آزادی ہند کے بعد کا مورخ صرف نظر نہیں کرسکتا۔ یہ تاریخ جب بھی لکھی اور سنی جائے گی تو زیر نظر کتاب غالباً سب سے مستند مرجع بنے گی۔ مسعود صاحب نے مصادر کی روشنی میں خاندانی پس منظر کے عنوان سے بڑی محنت و تحقیق سے ابتدائی باب لکھا ہے۔ تبلیغی جماعت کا نام اور کام آج گویا عالمی پیمانہ پر معروف ہے لیکن کام کی اس وسعت میں بانیان جماعت کے بعد، مولانا محمد عمران خاں ندوی کا نام بہت اہم ہے، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جماعت کے کچھ افراد کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے مولانا مرحوم کو کہنا پڑا کہ ”بڑے سے بڑا اختلاف بھی معمولی اخلاق کے انسانوں کو بھی حدود کے اندر رکھتا ہے، چہ جائیکہ دیندار اور دین کے داعی انسان!“۔

حدائق الریحان منظوم اردو ترجمانی منتخب قصائد حضرت حسانؓ: از ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۶۴، قیمت ۱۰۰/روپے، پتہ: گوشۂ مطالعات فارسی، پوسٹ بکس ۱۱۴، علی گڑھ اور علی گڑھ کے دیگر مشہور مکتبے۔

رئیس احمد نعمانی کی اصل شہرت ان کی فارسی دانی سے ہے، فارسی داں ہی نہیں وہ فارسی کے ایسے بہترین سخنور بھی ہیں جو فی زمانہ بس خال خال ہی ہیں، اردو تو خیر گھر کی زبان ہے، ادھر عرصہ سے وہ عربی شاعری خصوصاً صنف نعت کے کچھ شہ پاروں کو اردو میں منتقل کرنے کی مبارک کوششوں میں مصروف ہیں، بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کا وہ منظوم اردو ترجمہ کرچکے ہیں۔ اب پیش نظر حدائق الریحان میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ کلام کا ترجمہ کیا گیا ہے، شروع میں مقدمہ بھی بڑے کام کا ہے، یہ تنبیہ گو دو سال پہلے کی ہے مگر لگتا ہے آج کے لیے ہے کہ کسی بھی صحابی کے لیے شیعیت و مستشرقیت کے فریب میں آکر غیر شائستہ انداز میں ذکر کرنا یا دل میں بدگمانی کو جگہ دینا ہرگز ہرگز درست نہیں، منظوم ترجمہ کا لطف تو براہ راست ہی لیا جاسکتا ہے، یہاں بس ایک شعر کافی ہے کہ

ہم سخن حضرت حسانؓ کا ہوں اب میں رئیسؔ ‌ ‌ ‌ کچھ تعلق تھا کبھی حافظ و خیام کے ساتھ

ع۔ص

رسید کتب موصولہ

آزادی کے بعد مدھیہ پردیش میں اردو تنقید و تحقیق: پروفیسر آفاق حسین صدیقی، بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال۔ قیمت: ۱۱۱/روپے

اقبال اور اورنگ آباد: عنایت علی، شالیمار بک ہاؤس، اورنگ آباد، مہاراشٹر۔ قیمت: ۲۰۰/روپے

النقشبندیۃ النص۔ التاریخ۔ الاثر: مرتب منصور النقیدان، المسبار اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سینٹر، پوسٹ بکس ۳۳۳۵۷۷، دبئی، U.A.E۔ قیمت درج نہیں

برصغیر پاک و ہند کے چند تاریخی حقائق: محمد احسن اللہ و محمد تنزیل حسینی، دار الکتب الاسلامیہ، جامع مسجد دہلی۔ قیمت: ۲۰۰/روپے

بڑھاپے میں جوانی: پروفیسر بدر الدین الحافظ، کتب خانہ حسینیہ، دیوبند، سہارن پور۔ قیمت: ۱۵۰/روپے

بیان کی تلاش: ڈاکٹر محمود شیخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ قیمت: ۱۲۹/روپے

تمہارے لیے بس (ہندی): مدھوپ مہتا، پربھات پرکاشن، دلی۔ قیمت: ۲۵۰/روپے

سیفی سرونجی سے متین ندوی کی گفتگو: محمد متین ندوی، سیفی لائبریری سرونج، ایم۔پی۔ قیمت: ۲۰۰/روپے

کاروان حق: مولانا محمد ثناء اللہ عمری، جامعہ دار السلام، عمرآباد اور دار العلم، ممبئی۔ قیمت درج نہیں

نشترِ تحقیق: ڈاکٹر سید شاہد اقبال، بک امپوریم، پٹنہ۔ قیمت: ۳۵۰/روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس و دبیر		250/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر		100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		220/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	״	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	״	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	״	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	״	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	״	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	״	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	״	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	״	150/-
مکاتیب شبلی دوم	״	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)		250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
November 2018 Vol - 202 (5)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

مطبوعات شبلی صدی

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۶۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۷۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۸۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۹۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۰۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۱۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۲۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۳۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۴۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۵۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۶۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۷۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۸۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۱۹۔	الندوہ (جلد ۱۔۹)		4735/-